۴،۱۸۹

۱۰۹۴

امام شناسی

تالیف

آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی

ناشر

بعثت فاؤنڈیشن

تہران۔ ایران

نام کتاب ۔	امام شناسی یا امام کی معرفت
تالیف ۔	آیۃ اللہ ناصر مکارم شیرازی
ترجمہ ۔	انجینیر سید خادم حسین ۔ بی ۔ ایس سی انجینیرنگ ۔ ایم ۔ آئی ۔ اے
کاتب ۔	صلاح الدین بارہ بنکوی ۔ امام باڑہ روڈ راٹھ حویلی فیض آباد
پیشکش ۔	بعثت فاونڈیشن ۔ تہران ۔ ایران
تاریخ اشاعت ۔	۱۴۰۸ھ ہجری ، ۱۹۸۸ء
قیمت ۔	۱۰ ر روپیے

فہرست مضامین

عنوان

پیش لفظ ۶
حرف اوّل یا چند ضروری نکات ۷
پہلا سبق ـــــ امامت کی بحث کب شروع ہوئی ؟ ۹-۱۰
کیا یہ بحث اختلاف بڑھانے والی ہے ؟ ۱۱
امامت کیا ہے ؟ ۱۴
دوسرا سبق ـــــ امام کے وجود کا فلسفہ ۱۷
خدا کے رہبروں میں روحانی اوصاف کی تکمیل ۱۸
آسمانی شریعتوں کی حفاظت ۱۹
امت کی سیاسی اور سماجی رہبری ۲۰
اتمام حجّت کی ضرورت ۲۲
امام فیض الٰہی کے لئے ایک وسیلہ ہے ۲۲
تیسرا سبق ـــــ امام کے مخصوص شرائط و صفات ۲۴
خطاؤں اور گناہوں سے پاک (معصوم) ہونا ۲۶
سراپا علم ہونا ۲۷
شجاعت ۲۸
زہد و تقویٰ ۲۸

اخلاقی جاذبیت ۲۹

چوتھا سبق ــــ امام کا انتخاب کس کے ذمہ ہے ؟ ۳۱-۳۲
کیا امت کو پیغمبرؐ کا جانشین مقرر کرنے کا حق حاصل ہے ؟ ۳۳
کیا پیغمبر اکرمؐ نے اپنا جانشین خود مقرر نہیں کیا ؟ ۳۵
اجماع اور شوریٰ ۳۷
علیؑ سب سے افضل تھے ۳۸

پانچواں سبق ــــ قرآن اور امامت ۴۰
قرآن امامت کو خدا کی جانب سے ہونے کو بتاتا ہے ۔ ۴۱
آیۂ بلّغ کیوں اور کس لئے نازل ہوئی ؟ ۴۳
اولی الامر کی اطاعت ۴۵
آیۂ ولایت کب نازل ہوئی ؟ ۴۶

چھٹا سبق ــــ امامت احادیث کی روشنی میں ۴۹
داستان اور حدیث غدیر ۵۱-۵۲
حدیثِ غدیر کی سند ۵۵
کیا حدیث غدیر میں مولیٰ کے معنی رہبر و امام ہیں یا دوست ؟ ۵۶

ساتواں سبق ــــ حدیث منزلہ کیا ہے ؟ ۵۹
حدیث منزلہ کتنے مقامات پر بیان کی گئی ہے ؟
حدیث منزلہ کا معنیٰ و مفہوم ؟ ۶۱
حدیث یوم الدار اور اس کا معنیٰ و مفہوم ؟ ۶۲

آٹھواں سبق ــــ حدیث ثقلین اور حدیث سفینہ نوح
حدیث ثقلین ابوذر غفاری کے بیان کے مطابق ۶۷

حدیث سفینہ نوح اور اس کا معنی ومفہوم ۷۰

نواں سبق ــــ اماموں کی تعداد بارہ ہے ۷۳
بارہ اماموں کے بارے میں روایات واحادیث ۷۴
ان احادیث کا معنی ومفہوم ۷۵
ناموں کے ساتھ اماموں کی تشخیص ۷۸
ہر وہ شخص جو دنیا سے رخصت ہو جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے ۸۰

دسواں سبق ــــ حضرت مہدیؑ بارھویں امام اور دنیا کے مصلح اعظم ۸۳
تاریک رات کا خاتمہ ۸۴
مصلح اعظم کا ظہور اور اس کا فطری ہونا ۸۵
عقلی دلائل ۸۹
قرآن اور حضرت مہدیؑ کا ظہور ۹۱
شیعہ سنی احادیث اور حضرت مہدیؑ ۹۲

پیش لفظ

زیر نظر کتابچہ اصولِ دین" توحید ۔ عدل ۔ نبوت ۔ امامت ۔ معاد" کے بارے میں پچاس اسباق پر مشتمل پانچ کتابچوں میں سے ایک ہے یہ کتابچے ان عناوین (خدا شناسی۔ عدل الٰہی ۔ پیامبر شناسی۔ امام شناسی، قیامت شناسی) کے تحت ہیں اور ہر کتابچہ میں دس اسباق کے ذریعے بحث کی گئی ہے۔

اس مجموعہ کو آیت اللہ مکارم شیرازی نے انتہائی دقت و ظرافت کے ساتھ منطقی ، استدلالی ، سادہ اور نہایت دلچسپ پیرائے میں معاشرے کے تمام طبقات خصوصاً نوجوانوں کے لئے تحریر فرمایا ہے ۔

یہ مجموعہ لجنت فاونڈیشن کی طرف سے پیش کیا جارہا ہے امید ہے اس کا مطالعہ ان تمام افراد کیلئے مطلوب جو اصول دین سے تھوڑی ہی مدت میں آگاہ ہونا چاہتے ہیں مفید و موثر ثابت ہوگا۔

حرفِ اوّل
یا
چند ضروری نکات

جو استاد ان اسباق کو پڑھائیں براہِ مہربانی ان باتوں کو ملحوظ رکھیں۔

۱۔ اسباق کو پڑھانے میں تاریخی واقعات اور اپنی روزمرّہ کی زندگی کے دلچسپ مشاہدات سے مدد لیں۔

۲۔ ان اسباق کو پڑھاتے وقت شاگردوں کی معلومات سے مدد لینی چاہیئے اور فرداً فرداً یا گروپ کی شکل میں سوال وجواب کے ذریعہ سبق پڑھانا چاہیئے۔

۳۔ ہر سبق سے متعلق آیت کو جلی اور خوشخط حروف میں بلیک بورڈ پر لکھیں اور کوشش کریں کہ آیتوں کا لفظ بہ لفظ ترجمہ کریں تاکہ طلباء میں قرآن کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے بلکہ اگر ایک طالب علم آیت کو باآوازِ بلند پڑھے اور باقی اس کو دہرائیں تو بہتر ہے۔

۴۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر سبق کو ایک دن میں مکمل کریں بلکہ ضرورت ہو تو ایک سبق کو دو دن میں بھی مکمل کرایا جا سکتا ہے۔

۵۔ ہر سبق کی عبارتوں میں کچھ ایسی باریکیاں ہیں کہ استاد کو چاہیئے کہ پڑھانے سے پہلے اسکا اچھی طرح مطالعہ کریں اور سبق کو پڑھاتے وقت اس سے مدد لیں۔

۶۔ یہ اسباق چھٹی سے لیکر آٹھویں کلاس کے لڑکوں کے لئے تیار کئے گئے ہیں۔
۷۔ طلباء کی تشویش کے لئے امتحان میں کامیاب ہونے والے طلباء، یا جو بچے آیتوں کے ترجمے یاد کریں اور جلسے میں پڑھیں انھیں انعامات دیئے جائیں۔
۸۔ ان اسباق کو پڑھنے والے طالب علم ممکن ہے کہ خدا کی معرفت سے متعلق ایسے سوالات کریں جن کا جواب اس کتاب میں نہیں ہے۔ لہٰذا مزید معلومات کے لئے مندرجہ ذیل کتابوں کا مطالعہ کریں۔

(۱) آفریدگار جہاں (کائنات کا خالق)
(۲) در جستجوی خدا (خدا کی تلاش)
(۳) پرسشہا و پاسخہا (سوالات اور جوابات)

پہلا سبق

امامت کی بحث کب شروع ہوئی؟

- کیا یہ بحث اختلافات بڑھانے والی ہے؟
- امامت کیا ہے؟
- سوچیے اور جواب دیجیے۔

امامت کی بحث کب شروع ہوئی؟

ہم جانتے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام کی وفات کے بعد مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے: ایک گروہ کا اعتقاد تھا کہ پیغمبرؐ نے اپنے لئے کوئی جانشین معین نہیں کیا اور اس کام کو امت کے سپرد کر دیا تاکہ افرادِ امت بیٹھ کر امت ہی کی کسی فرد کو رہبری کے لئے منتخب کریں۔ اس گروہ کو "اہلِ سنت" کہا جاتا ہے۔

دوسرے گروہ کا اعتقاد تھا کہ جانشین پیغمبرؐ کو بھی خود اسی کی طرح گناہوں اور خطاؤں سے پاک (معصوم) ہونا چاہئے اور اسے بے پناہ علم کا ایسا حامل ہونا چاہئے کہ وہ انسانوں کی روحانی اور مادی رہبری کے عہدہ پر فائز ہو سکے اور اسلام کے اصولوں کی حفاظت اور بقاء کا انتظام کر سکے۔

اور اس گروہ کا اعتقاد تھا کہ ایسے شخص (جانشین) کا انتخاب صرف خدا کی طرف سے اور پیغمبرؐ کے وسیلہ سے ہی ممکن ہے۔ اور پیغمبرِ اسلام نے اس کام کو انجام دیا اور علیؑ کو اپنے جانشین کے طور پر منتخب کیا۔

اس گروہ کو "امامیہ" یا "شیعہ" کہا جاتا ہے

اس تفصیلی بحث سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مسئلہ (امامت) پر عقلی اور تاریخی دلیلوں اور قرآنی آیتوں اور سنتِ پیغمبرؐ کی روشنی میں غور کیا جائے۔

لیکن ہم اس بحث کو شروع کرنے سے پہلے چند باتوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ کیا یہ بحث اختلافات بڑھانے والی ہے ؟

بعض لوگ مسئلہ امامت پر بحث شروع ہوتے ہی فوراً بول اٹھتے ہیں کہ آج کل ان باتوں کا زمانہ نہیں ہے۔

موجودہ دور اتحاد بین المسلمین کا دور ہے اور جانشین پیغمبرؐ کے موضوع پر گفتگو تفرقہ اور اختلافات کا باعث ہوتی ہے۔

آج ہمیں (مسلمانوں کے) مشترک دشمنوں جیسے صیہونزم اور مشرق و مغرب کی سامراجی طاقتوں کا سامنا ہے اور ہمیں چاہیئے کہ ہم ان سے حفاظت کی فکر کریں اور اسی بنا پر ہمیں چاہیئے کہ ان اختلافی مسائل کو پس پشت ڈالیں۔

لیکن یہ طرز فکر صریحاً ایک غلطی ہے کیونکہ :

۱۔ وہ چیزیں جو اختلافات اور پراگندگی کا باعث ہیں وہ تعصب سے بھری اور غیر منطقی بحثیں اور کینہ پروری ہیں۔

لیکن محبت و دوستی کے ماحول میں منطقی، پراستدلال اور تعصب و دشمنی سے پاک بحثیں نہ صرف اختلافات کو نہ بڑھانے والی ہونگی بلکہ آپس کے فاصلوں کو کم کریں گی اور مشترکہ نقطۂ نظر کو تقویت پہونچائیں گی۔

خود میں نے خانۂ خدا کی زیارت کیلئے لئے گئے حجاز کے سفروں کے دوران علماء و دانشمندان اہل سنّت سے بحثیں کی ہیں۔ میں اور وہ دونوں ہی اس بات کو محسوس کرتے تھے کہ یہ بحثیں نہ صرف ہمارے تعلقات پر برا اثر نہیں ڈالتی تھیں بلکہ آپس میں زیادہ نزدیکی اور خوش فکری کا باعث بنتی تھیں۔ آپس کے فاصلوں کو

زیادہ کم کرتی تھیں اور شک و شبہ کے کینوں کو ہمارے سینوں سے خارج کرتی تھیں۔

خاص بات یہ ہے کہ ان بحثوں سے واضح ہوجاتا تھا کہ ہم میں باہم بہت سے مشترک نقطۂ نظر ہیں جن پر بھروسہ اور اعتماد کرکے ہم (متحد ہوکر) اپنے مشترک دشمنوں کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

اہلسنت میں چار مذہب ہیں (حنفی۔ حنبلی۔ شافعی اور مالکی)۔ یہ چار مذاہب اہل سنت میں تفرقہ کا باعث نہ ہوئے اور اگر وہ (اہل سنت) کم از کم فقہ شیعہ کو ایک پانچویں فقہی مذہب کی حیثیت سے قبول کرلیں تو بہت سی مشکلات اور اختلافات دور ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح جیسے حال ہی میں اہلسنت کے ایک بڑے مفتی اور مصر کی الازھر یونیورسٹی کے وائس چانسلر "شیخ شلتوت" نے ایک بہت بڑا قدم اٹھایا اور اہل سنت کے درمیان فقہ شیعہ کو اصولی طور پر ماننے کا اعلان کردیا۔ اور اس طرح سے انھوں نے اتحاد اسلامی کی زبردست مدد کی۔ اور ان کے اور ملت شیعہ کے مرجع اعلیٰ "آیۃ اللہ بروجردی" مرحوم کے درمیان دوستانہ تعلقات برقرار ہوئے۔

۲۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ اسلام کی تجلی ہر مذہب سے زیادہ مذہب شیعہ میں ہے اور عین اس صورت میں کہ ہم سارے اسلامی مذاہب کا احترام کریں ہمیں یقین ہے کہ مذہبِ شیعہ حقیقی اسلام کے سارے پہلوؤں کا بہترین تعارف کراسکتا ہے۔ اور اسلامی حکومت سے متعلق مسائل کا حل پیش کرسکتا ہے۔

ہم کیوں نہ اس مکتب فکر (شیعہ مذہب) کے بارے میں اپنے بچوں کو تعلیم دیں اور اگر ہم یہ کام نہیں کرتے ہیں تو یہ واضح ہے کہ ہم نے اپنے بچوں سے خیانت کی ہے۔

قطعی طور پر یہ ہمارا یقین ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے جانشین کو معین فرمایا ہے. (اس لئے) منطق اور دلائل سے اس موضوع پر اگر بحث کی جائے تو اعتراض نہ ہونا چاہیئے.

لیکن ان بحثوں میں ہمیں بہت احتیاط برتنا چاہیئے تاکہ دوسروں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہونچے.

۲۔ اسلام کے دشمنوں نے اتحاد مسلمین کی بنیادوں کو کمزور بنانے کے لئے شیعوں کے خلاف سنیوں سے اور سنیوں کے خلاف شیعوں سے اس قدر جھوٹ بولے ہیں اور الزام تراشیاں کی ہیں کہ بہت سے ملکوں میں ان میں آپس میں بہت دوری ہوگئی ہے.

جس وقت ہم مسئلہ "امامت" کو جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے پیش کریں اور ان باتوں پر جن کی مذہب شیعہ میں تاکید کی گئی ہے انھیں دلیلوں اور کتاب و سنّت کی روشنی میں واضح کریں تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ پروپگنڈے جھوٹے تھے اور ہمارے مشترک دشمنوں نے زہر اگلا ہے.

مثال کے طور پر میں یہ نہیں بھول سکتا کہ اپنے حجاز کے سفروں کے ایک سفر میں سعودی عرب کی اول درجہ کی دینی شخصیتوں میں سے ایک شخصیت سے میری ملاقات ہوئی اور بحث ہوئی. انہوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ میں نے سنا ہے کہ شیعوں کے پاس جو قرآن ہے وہ ہمارے پاس موجود قرآن سے مختلف ہے.

مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے ان سے کہا: بھائی! اس بات کی تحقیق تو بہت آسان ہے.

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ خود یا آپ کا نمائندہ میرے ساتھ

چلئے تاکہ ہم عمرہ کے مراسم کے بعد بغیر پہلے سے کسی اطلاع کے ایران واپس جائیں وہاں پر گلی وکوچہ میں مسجدیں ہیں اور ہر مسجد میں ایک بڑی تعداد میں قرآن موجود ہیں۔ اس کے علاوہ سب مسلمانوں کے گھروں میں قرآن موجود ہے ہم ہر اس مسجد میں جائیں گے جہاں آپ پسند فرمائیں گے۔ یا پھر جس گھر پر پسند فرمائیں گے کھٹکھٹائیں گے اور ان سے قرآن طلب کریں گے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارے اور آپ کے قرآن میں ایک حرف یا ایک نقطہ تک کا اختلاف نہیں ہے۔ (بہت سے قرآن جن سے ہم استفادہ کرتے ہیں وہ حجاز و مصر اور تمام اسلامی ممالک کے ہی شائع شدہ ہیں)

بغیر کسی شک کے اس مکمل استدلالی اور دوستانہ گفتگو کی وجہ سے اسلام کے دشمنوں نے جو عجیب زہر افشانی اس مشہور شخص کے ذہن میں کر رکھی تھی اس کا اثر ختم ہوگیا۔

مطلب یہ ہے کہ امامت سے متعلق بحثیں ایک قسم سے جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے اتحاد معاشرہ اسلامی کو مستحکم کرتی ہیں اور حقائق کے روشن ہونے اور آپس کے فاصلوں کے کم کرنے میں معاون ہوتی ہیں۔

۲۔۔۔ امامت کیا ہے؟

" امام " جیسا کہ اس کے موضوع سے ظاہر ہے مسلمانوں کے پیشوا یا رہبر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اور شیعہ اصول و عقائد کے اعتبار سے " امام معصوم " اس شخص کو کہا جاتا ہے جو ہر طرح سے پیغمبرؐ کا جانشین ہو۔ لیکن فرق بس یہ ہے کہ پیغمبرؐ مکتب (اسلام) کا بانی ہوتا ہے اور امام اِس مکتب کا محافظ اور نگہبان

پیغمبرؐ پر وحی نازل ہوتی ہے لیکن امام پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ وہ (امام) اپنی تعلیمات کو پیغمبرؐ سے حاصل کرتا ہے اور ایک بے مثال علم کا حامل ہوتا ہے۔

شیعہ نقطۂ نظر سے امامِ معصوم محض اسلامی حکومت کا پیشوا ہی نہیں ہوتا بلکہ روحانی و مادی رہبری اور ظاہری اور باطنی رہبری مختصر یہ کہ اسلامی معاشرہ کی ہر طرح کی رہبری کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ نیز اسلامی عقائد و احکام کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے اور وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔

لیکن حضرات اہل سنّت امامت کی اس طرح تفسیر نہیں کرتے۔ وہ امام کو صرف اسلامی معاشرہ کی حکومت کا ایک پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور ایک لحاظ سے ہر دور اور زمانہ کے حکمرانوں کو پیغمبرؐ کے خلفاء اور مسلمانوں کے رہبروں کے طور پر سمجھتے ہیں۔

البتہ آئندہ بحثوں میں ہم یہ واضح کریں گے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں اللہ کے ایک نمائندہ کا موجود ہونا لازم ہے۔ یعنی پیغمبرؐ یا ایک امام معصوم زمین پر ہوتا ہے تاکہ وہ خدا کے قانون کی حفاظت کرے اور طالبانِ حق کی رہبری کرے۔ اور اگر کسی وجہ سے انسانوں کی نظر سے اوجھل ہو جائے تو اسکے نمائندے احکام الٰہی کی تبلیغ اور اسلامی حکومت کی تشکیل کے ذمہ دار ہوں۔

سوچئے اور جواب دیجئے !

۱۔ کس منطق کی بناء پر کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ آج مسئلہ امامت پر بحث کا دن نہیں ہے۔؟

۲۔ اس منطق کے مقابلہ میں کیا ہم اس موضوع (امامت) پر بحث کے ضروری ہونے کے لئے چند استدلالی جوابات رکھتے ہیں ؟

۳۔ اسلام کے دشمنوں نے کیونکر مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی کی ہے اور اس خلیج کو پُر کرنے کا کیا طریقہ ہے ؟

۴۔ کیا آپ دشمنوں کی تفرقہ اندازی کے کچھ نمونے پیش کر سکتے ہیں ؟

۵۔ مذہب شیعہ میں " امامت " سے کیا مراد ہے اور وہ مذہب اہلسنت میں " امامت " سے کس طرح مختلف ہے ؟

دوسرا سبق

امامؑ کے وجود کا فلسفہ

- خدا کے رہبروں میں روحانی اوصاف کی تکمیل
- آسمانی شریعتوں کی حفاظت۔
- امت کی سیاسی اور سماجی رہبری۔
- اتمام حجت کی ضرورت
- امام فیض الٰہی کے لئے ایک وسیلہ

پیغمبرؐوں کی بعثت کے ضروری ہونے کے بارے میں اس سے قبل جو بحثیں کی گئی ہیں وہ بہت حد تک ہم کو پیغمبرؐ کے بعد امام کے وجود کی ضرورت سے آشنا کرتی ہیں کیونکہ بہت سے اہم موضوعات میں یہ مشترک ہیں۔ لیکن اس جگہ پر یہ ضروری ہے کہ ہم بعض دوسرے مباحث پر غور کریں۔

۱۔ خدا کے رہبروں میں روحانی اوصاف کی تکمیل

ہر چیز سے پہلے ہمیں انسان کی خلقت کے مقصد کو سمجھنا چاہیئے جو کہ جہاں آفرینش کا ایک گل سرسبد ہے۔

وہ (انسان) خدا کی طرف، کمالِ مطلق کی طرف، اور روحانی اوصاف کی تکمیل کی طرف لے جانے والی نشیب و فراز سے بھری طویل راہ پر ہر شعبہ میں حرکت کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اس راہ پر بغیر کسی معصوم پیشوا کی رہنمائی کے منزل مقصود تک نہیں پہونچ سکتا۔ اور اس مرحلہ میں بغیر کسی معلم الٰہی کی رہبری کے کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ

"راہ میں تاریکیاں ہیں اور گمراہی کے خطرات"

یہ صحیح ہے کہ خدا نے انسانوں کو عقل و خرد کی نعمت سے نوازا ہے۔ اسے طاقتور اور بھرپور ضمیر عطا کیا ہے۔ آسمانی کتابیں اس کے لئے بھیجی ہیں۔ لیکن پھر بھی ممکن ہے کہ یہ انسان ان تمام تخلیقی اور تشریعی وسیلوں کے باوجود اپنی صحیح راہ کی شناخت میں غلطی کا شکار ہو جائے۔ بیشک ایک معصوم پیشوا کا وجود اس کے راہ سے انحراف اور گمراہی کے خطرے کو بہت زیادہ حد تک کم کر دے گا

اور اس طرح " امام کا وجود انسان کے مقصد تخلیق کی تکمیل کرنے والا ہے"

یہ وہی چیز ہے جسے عقائد کی کتابوں میں " قاعدۂ لطف " سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور قاعدۂ لطف سے ان کا مقصد یہ ہے کہ خداوند حکیم نے وہ تمام چیزیں جو انسان کی خلقت کے مقصد کے حصول کے لئے ضروری ہیں اس کے اختیار میں دی ہیں۔ ان تمام چیزوں میں سے پیغمبروں کی بعثت اور امام معصوم کے وجود کا ہونا ہے۔ ورنہ (یعنی اگر پیغمبروں اور معصوم اماموں کو لوگوں کی ہدایت کے لئے نہ بھیجے تو) غرض خلقت کے خلاف ہوگا (غور کیجئے)

۲ــــ آسمانی شریعتوں کی حفاظت

ہم جانتے ہیں کہ خدائی ادیان و مذاہب پیغمبروں کے دلوں پر نازل ہوتے وقت بارش کے پانی کی بوندوں کی مانند صاف شفاف نتھرے ہوئے اور حیات بخش اور روح پرور ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ گندے ماحول یا کمزور یا ناپاک دماغوں سے گذرتے ہیں تو دھیرے دھیرے آلودہ ہو جاتے ہیں اور انہیں خرافات اور توہمات کی زیادتی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ان کی پہلے کی طرح (بنیادی) پاکیزگی اور نفاست ضایع ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں نہ ان میں کوئی جاذبیت رہ جاتی ہے اور نہ ہی تربیت کی تاثیر۔ نہ ان سے پیاسوں کو سیراب کیا جا سکتا ہے۔ اور نہ ہی ان سے فضیلت کی کلیاں اور پھول کھل سکتے ہیں۔

ایسے ہی موقعوں کے لئے ضروری ہے کہ مذہب کو اصلی شکل میں باقی رکھنے اور خالص دینی پروگراموں کی حفاظت کے لئے ایک معصوم پیشوا رہے تاکہ وہ مذہب کی راہ میں ٹیڑھے پن اور انحراف، خلط ملط اور غلط افکار اور دوسروں کے ناروا

نظریات اور توہمات و خرافات کو نہ شامل ہونے دے۔ اگر مذہب و شریعت بغیر ایک ایسے رہبر کے رہے تو بہت کم مدت میں ہی اسے اصلیت و خلوص سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔

اسی وجہ سے حضرت علیؑ اپنے قول میں (نہج البلاغہ کلمات قصار ، ۱۴۷) فرماتے ہیں :

اللھم بلی، لاتخلو الارض من قائم للہ بحجۃ، اما ظاھراً مشھوراً، او خائفاً مغموراً لئلا تبطل حجج اللہ و بیناتہ :

"ہاں ! ہرگز زمین خدا کی دلیلوں کو واضح کرنے والے سے کبھی خالی نہیں رہے گی خواہ وہ ظاہر و آشکار ہو یا پوشیدہ ہو تاکہ خدا کی دلیلیں اور اس کی واضح نشانیاں باطل نہ ہوں"

درحقیقت قلب امام ان محفوظ صندوقوں کی مانند ہے جن میں بیش قیمت سندیں رکھی جائیں تاکہ وہ چوروں کے ہاتھوں اور دیگر حوادث سے بے اثر اور محفوظ رہیں۔ نیز وجودِ امام کے فلسفوں میں سے یہ بھی ایک فلسفہ ہے۔

۳۔ امت کی سیاسی و سماجی رہبری

بلاشک کوئی بھی معاشرہ یا گروہ بغیر کسی اجتماعی نظام کے کہ جو ایک قومی رہبر کی زیرنگرانی ہو اپنی زندگی نہیں گذار سکتا۔ اور اسی وجہ سے قدیم زمانے سے اب تک سبھی اقوام و ملل نے اپنے لئے ایک رہبر منتخب کیا۔ کبھی تو وہ نیک ثابت ہوا اور بہت سے موقعوں پر غیر صالح ثابت ہوا۔ اور اکثر ایسا ہوا کہ امتوں کے لئے رہبر کے وجود کی ضرورت سے غلط فائدہ اٹھا کر سلطنت و طاقت کے بھوکے بادشاہ اپنی

ریاکاری اور زبردستی سے انسانوں پر تسلط حاصل کر لیتے تھے اور تمام امور کی ذمہ داری اپنے ہاتھوں میں لے لیتے تھے .... یہ تو ایک طرف!

دوسری طرف اس لئے کہ انسان اپنے روحانی کمال کے مقصد کو حاصل کر سکے اسے چاہیئے کہ یہ راستہ تنہا نہیں بلکہ باجماعت اور معاشرے کے ساتھ طے کرے کیونکہ ایک فرد کی توانائی فکری وجسمی ومادی وروحانی اعتبار سے بیحد کم اور اس کے مقابلہ میں ایک معاشرہ کی توانائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

لیکن ایسا معاشرہ ہونا چاہیئے کہ جس پر صحیح نظام حاکم ہو۔ وہ انسانی صلاحیتوں کو سنوارے۔ ٹیڑھے پن اور انحراف کا مقابلہ کرے۔ تمام انسانوں کے حقوق کی حفاظت کرے اور بڑے بڑے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے پروگرام مرتب کرے اور محکمے بنائے اور پورے معاشرہ کو ایک آزاد ماحول میں پرجوش تحریک کیلئے آمادہ کرے۔

اور اس موقع پر جہاں خطا کار انسان اس عظیم ذمہ داری کی اہلیت نہیں رکھتا، جیسا کہ ہم خود اپنی آنکھوں سے دنیاوی اور سیاسی حکمرانوں کے صحیح راستے سے انحرافات کا مشاہدہ کرتے ہیں، ضروری ہے کہ خدا کی طرف سے اس اہم کام (صحیح نظام) کی نگرانی کے لئے ایک معصوم پیشوا مقرر ہو جو انسانی قوتوں اور دانشمندوں کے خیالات سے معاشرہ کی راہ میں استفادہ کرنے کے علاوہ ان کے انحرافات کی روک تھام کر سکے۔

یہ وجودِ امام کے فلسفوں میں ایک اور فلسفہ ہے۔ اور "قاعدۂ لطف" کے شعبوں میں سے ایک اور شعبہ ہے۔ مگر عرض ہے کہ بعض مخصوص زمانوں میں جب کہ امامِ معصوم غائب ہو اس وقت انسانوں کے فرائض بھی واضح ہو چکے ہیں کہ اگر خدا نے چاہا تو حکومت اسلامی کی مفصل بحثوں میں اس بات پر روشنی ڈالی

جائے گی۔

۴۔۔۔ اتمامِ حجّت کی ضرورت

نہ تنہا وہ دل جو امام کے وجود کے پر تو میں رہنمائی حاصل کر کے کمالِ مطلق کیطرف چلنے کے لئے آمادہ ہوں بلکہ ان لوگوں کے لئے بھی جو جان بوجھ کر اور عمداً غلط راستے پر چل رہے ہیں اتمام حجت ہو تاکہ اگر ان کو سزا دینے کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ بے دلیل نہ ہو۔ اور کوئی شخص یہ اعتراض نہ کر سکے کہ اگر الٰہی اور آسمانی رہبری نے ہمارا ہاتھ پکڑا ہوتا اور حق کے راستہ کی طرف رہنمائی کی ہوتی تو ہم ہرگز خلاف ورزی نہ کرتے۔

مختصر یہ کہ ہر عذر کا راستہ بند کر دیا جائے۔ کافی حد تک حق کو واضح کرنے کی دلیلیں بیان کی جائیں۔ اس سے بے خبروں کو آگاہی اور باخبر حضرات کو اطمینان خاطر اور تقویت ارادہ بخشی جائے۔

۵۔۔۔ امام فیض الٰہی کے لئے ایک اہم وسیلہ ہے

اکثر دانشور احادیث اسلامی کی روشنی میں انسانی معاشرہ یا تمام کائنات میں پیغمبر و امام کے وجود کو اسی طرح سمجھتے ہیں جس طرح انسانی جسم میں "دل" کا وجود ہوتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ جس وقت دل دھڑکتا ہے تو خون کو تمام رگوں میں بھیجتا ہے۔ اور بدن کے تمام سیلس (CELLS) کو غذا پہونچاتا ہے۔

چونکہ امامِ معصوم ایک انسان کامل اور انسانی قافلہ کے رہنما کی حیثیت سے فیض الٰہی کے نازل ہونے کا سبب بنتا ہے اور ہر شخص پیغمبر و امام سے اپنے تمسک و ارتباط کے مطابق کسبِ فیض کرتا ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ جس طرح انسان کے لئے دل کا ہونا ضروری ہے اسی طرح جہانِ انسانیت کے ڈھانچے کے لئے فیض الٰہی کے اس واسطہ یا وسیلہ (امام) کا وجود بھی ضروری ہے۔

(غور کیجئے)

شبہ نہ ہو۔ پیغمبر یا امام اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو بھی کہتے ہیں خدا کی طرف سے ہے۔ لیکن جس طرح "دل" جسم کے لئے فیض الٰہی کا واسطہ ہے اسی طرح "پیغمبر و امام" بھی تمام انسانوں کے لئے فیض الٰہی کا واسطہ ہیں۔

سوچئے اور جواب دیجئے:

۱۔ انسانوں کے روحانی کردار کی تکمیل میں امام کا کیا کردار ہے؟

۲۔ شریعت کی حفاظت کے لئے امام کا کیا کردار ہے؟

۳۔ حکومت کی رہبری اور معاشرہ کے نظام کے مسئلہ میں امام کا کردار کیا ہے؟

۴۔ اتمامِ حجت سے کیا مراد ہے؟ اور اس مسئلہ میں امام کا کیا کردار ہے؟

۵۔ فیض کے واسطہ سے کیا مطلب ہے؟ اور اس نقطۂ نظر سے پیغمبر و امام کے کردار کے لئے بہترین مثال کیا ہے؟

تیسرا سبق

امام کے شرائط و صفات

- خطاؤں اور گناہوں سے پاک (معصوم) ہونا.
- سراپا علم ہونا.
- شجاعت.
- زہد و تقویٰ.
- اخلاقی جاذبیت.

اس بحث میں ہر چیز سے پہلے ایک بات کی طرف توجہ ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ : قرآن مجید سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ "مقام امامت" ایک عظیم الشان مقام ہے اور "مقام نبوت" و "رسالت" سے بھی برتر ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ بت شکن پیغمبرؐ کی داستان میں ہم اس طرح پڑھتے ہیں :

وَاِذِابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ۝

(سورہ بقرہ - آیت ۱۲۴)

"(اے رسول بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند اہم باتوں میں آزمایا اور وہ خدا کے ان سبھی امتحانوں میں پورے اترے تو خدا نے فرمایا کہ میں نے تم کو مقام امامت اور انسانوں کی پیشوائی کے لئے منصوب کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی اور میری اولاد میں سے بھی (چاہتا ہوں کہ اس مقام کے اہل ہوں) فرمایا (ہاں مگر) میرے اس عہدے پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہوسکتا (اور ان لوگوں کے لئے بھی یہ امامت کا بلند مقام ممکن نہیں ہے جو شرک اور گناہوں سے آلودہ ہوں)"

اس طرح سے حضرت ابراہیمؑ نبوت و رسالت اور خدا کے مختلف امتحانوں میں کامیابی کے مراحل طے کرنے کے بعد انسانوں کی ظاہری و باطنی و مادی و روحانی رہبری کے بلند مقام (امامت) تک پہونچے۔

پیغمبر اسلامؐ بھی نبوت و رسالت کے منصب کے علاوہ امامت اور خلق کی رہبری کے منصب کے حامل بھی تھے۔ دوسرے پیغمبروں میں سے بھی بعض اسی منصب امامت کے حامل تھے۔ یہ تو ایک طرف !

دوسری طرف ہم جانتے ہیں کہ کسی بھی عہدہ پر فائز ہونے کے لئے فرائض و ذمہ داریوں کے تناسب سے انسان کے لئے ضروری شرائط وخصوصیات ہوتے ہیں تاکہ وہ اس منصب کے فرائض کو انجام دے سکے۔ یعنی جتنا زیادہ بلند منصب ہوگا اور جتنی بڑی ذمہ داریاں ہوں گی اسی تناسب سے ضروری شرائط وصفات بھی زیادہ سنگین ہوں گے۔

مثلاً اسلام میں کسی شخص کے قضاوت کے عہدہ پر فائز ہونے اور گواہی دینے اور امام جماعت ہونے کے لئے عادل ہونا ضروری ہے۔ پس جس دین ومکتب میں ایک گواہی دینے کے فرض کو ادا کرنے یا نماز جماعت میں (امام کے) سورۂ حمد اور دوسرے سورہ کی تلاوت کے فرض کو ادا کرنے کے لئے عدالت کا ہونا ضروری ہے۔ وہاں ظاہر ہے کہ امامت جیسے عظیم منصب تک پہونچنے کے لئے کتنے سخت شرائط ضروری ہوں گے۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی روشنی میں امام کے لئے مندرجہ ذیل شرائط لازمی ہیں۔

۱۔ خطاؤں اور گناہوں سے پاک (معصوم) ہونا

پیغمبر کے مانند امام کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ معصوم ہو یعنی گناہوں اور غلطیوں سے محفوظ ہو ورنہ وہ انسانوں کے لئے رہبر، مثالی نمونہ اور پیشوا نہیں بن سکتا اور معاشرہ کے لئے قابل اعتبار نہیں ہوسکتا۔ امام کو ایسا ہونا چاہیئے کہ وہ تمام انسانوں کے دلوں کو موہ لے اور اس کا حکم بغیر کسی پس وپیش کے سب کے لئے قابل قبول ہو۔ لیکن اگر کوئی شخص گناہوں سے آلودہ ہوگا تو اس کے لئے ہرگز یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ

ایسی مقبولیت حاصل کرے اور ہر لحاظ سے قابل اعتماد و اطمینان ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے ذاتی روزمرہ کے کاموں میں غلطیوں اور گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ معاشرہ کے امور میں اس کے افکار و نظریات پر بھروسہ کیا جائے اور بغیر کسی پس و پیش کے ان پر عمل کیا جائے۔

بیشک پیغمبرؐ کو معصوم ہونا چاہئے اور مندرجہ بالا دلیل کی بناء پر یہی شرط امام کے لئے بھی ضروری ہے۔

یہ بات دوسرے طریقہ سے بھی ثابت کی جاسکتی ہے اور یہ ہے کہ وہی ..... "قاعدۂ لطف" جس پر پیغمبر و امام کا اصلی وجود منحصر ہے اس (عصمت کی) صفت کو واجب و لازم قرار دیتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ وجود پیغمبر و امام کے مقاصد کی تکمیل بغیر مقام عصمت کے ممکن نہیں ہے۔ اور اس سے قبل کے سبق میں جو فلسفے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی (عصمت کی صفت کے بغیر) ناقص و نامکمل رہ جائیں گے۔

۲ــــ سراپا علم ہونا

پیغمبر کی مانند امام بھی انسانوں کے تمام علمی مسائل کے لئے ایک پناہ گاہ ہے اُسے تمام اصول و فروع دین، قرآن کریم کے ظاہری و باطنی علم اور سنت پیغمبر نیز اسلام سے مربوط تمام مسائل سے مکمل طور پر آگاہ ہونا چاہئے۔ ایسا اس لئے ہے کہ وہ شریعت کا محافظ و نگہبان بھی ہے اور انسانوں کا رہبر و پیشوا بھی ہے۔

ایسے اشخاص جو پیچیدہ مسائل کے پیش آنے پر پریشان ہو جائیں یا دوسروں کی جانب دست سوال بلند کریں اور ان کا علم و شعور اسلامی معاشرہ کی کے لئے کافی نہ ہو وہ ہرگز منصب امامت اور دنیا کی رہبری کے عہدہ پر فائز نہیں

ہو سکتے۔

خلاصہ یہ کہ امام کو چاہئے کہ احکام الٰہی کا سب سے زیادہ بڑا اور آگاہ ترین عالم ہو تاکہ پیغمبرؐ کی رحلت سے پیدا ہونے والے خلا کو فوراً پر کر سکے۔ اور صحیح راہِ اسلام کو، جو ہر طرح کے انحرافات سے پاک ہو، ثبات و دوام بخشے۔

۳۔ شجاعت

امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلامی معاشرہ کا سب سے زیادہ شجاع انسان ہو کیوں کہ بغیر شجاعت کے رہبری ممکن نہیں ہے۔ یہ شجاعت انتہائی سخت و ناگوار حالات سے مقابلہ کے لئے، طاقتوروں و سرکشوں اور ظالموں سے مقابلہ کیلئے اور اسلامی مملکت کے اندرونی و بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ضروری ہے۔

۴۔ زھد و تقویٰ

ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ جو دنیا کی زرق و برق یا ظاہری زیبائی میں گرفتار ہیں وہ جلد دھوکا کھاتے ہیں اور حق و صداقت کی راہ سے ان کے منحرف ہونے کا امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔ دنیا کی زرق و برق میں گرفتار یہ لوگ کبھی تو طمع کے ذریعہ اور کبھی دھمکی کے ذریعہ اپنی اصل راہ (راہ مستقیم) سے منحرف ہوجاتے ہیں۔

امام کے لئے ضروری ہے کہ اس دنیا کے امکانات و بخششوں کے مقابلہ میں "اسیر" ہونے کے بجائے "امیر" (فرمانروا) ہو۔

امام کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس مادی دنیا کی ہر قید و بند سے، نفسانی خواہشات

کی قید سے' مقام و درجہ کی قید سے اور مال و دولت و منزلت کی قید سے آزاد و بے نیاز ہو۔ تاکہ اسے نہ تو فریب دیا جاسکے' نہ اس پر غلبہ حاصل کیا جاسکے اور نہ ہی اسے سر جھکانے کے لئے آمادہ کیا جاسکے۔

۵۔ اخلاقی جاذبیت

قرآن مجید پیغمبر کے بارے میں فرماتا ہے:۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ص ؛ "(اے رسول یہ بھی) خدا کی ایک مہربانی ہے کہ تم (سا) نرم دل (پیشوا) ان کو ملا۔ اور اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تب تو یہ لوگ (خدا جانے کب کے) تمہارے گرد سے تتر بتر ہو چکے ہوتے"۔

(سورۂ آل عمران۔ آیت ۱۵۹)

نہ صرف پیغمبر بلکہ امام اور ملت کے ہر پیشوا کو عادات و اخلاق حسنہ اور کشش کی ضرورت ہے جس کی وجہ سے وہ انسانوں کو مقناطیس کی طرح اپنی طرف کھینچ سکے۔

بلاشک و شبہ ہر طرح کی سختی و بد اخلاقی جو انسانوں کی پراگندگی و بیزاری کا باعث ہیں، پیغمبر و امام کے لئے بہت بڑے عیب ہیں اور وہ ان عیوب سے پاک ہیں۔

امام کے لئے یہ اہم شرطیں ہیں جنھیں جید علماء اسلام نے بتایا ہے۔

البتہ امام کے لئے مندرجہ بالا پانچ صفات کے علاوہ دوسری خصوصیات کی موجودگی کی شرط بھی ہے لیکن اہم شرطیں یہی تھیں جنکو اس موقع پر بیان کیا گیا ہے۔

سوچئے اور جواب دیجئے!

۱۔ کس دلیل کی بناء پر منصب امامت انسان کے لئے ایک بالاترین منصب ہے۔؟
۲۔ کیا پیغمبرؐ اسلام اور تمام اولوالعزم پیغمبر بھی منصب امامت کے حامل تھے؟
۳۔ اگر امام معصوم نہ ہو تو کیا مشکلات پیش آئیں گی؟
۴۔ امام میں بھرپور علم (علم کامل) کیوں ضروری ہے؟
۵۔ کس دلیل کی بناء پر امام کو سب سے زیادہ شجاع و زاہد و آزاد و بے نیاز اور اخلاق کے نقطہ نظر سے سب سے زیادہ انسانوں کے لئے جاذب و پرکشش ہونا ضروری ہے؟

چوتھا سبق

امام کا انتخاب کس کے ذمہ ہے؟

- کیا امت کو پیغمبرؐ کا جانشین مقرر کرنے کا حق حاصل ہے۔
- کیا پیغمبرؐ نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا؟
- اجماع اور شوریٰ
- علیؑ سب سے افضل تھے۔

امام کا انتخاب کس کے ذمہ ہے

مسلمانوں میں ایک گروہ (اہل سنت) کا یہ اعتقاد ہے کہ پیغمبرِ اسلام نے جب دنیا سے رحلت کی تو اپنا کوئی جانشین مقرر نہیں کیا تھا اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ ذمہ داری خود مسلمانوں کی ہے کہ اپنے لئے پیشوا اور رہبر منتخب کریں۔ اور یہ کام مسلمانوں کے اجماع کے ذریعہ جو کہ شرعی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے انجام پائے۔

وہ (اہل سنت) یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ کام انجام پایا اور پہلے خلیفہ امت کے اجماع سے خلافت کے عہدہ پر منتخب ہوئے۔

اور انھوں نے (پہلے خلیفہ نے) خود شخصی طور پر دوسرے خلیفہ کا خلیفہ کے طور پر تعارف کرایا۔

اور دوسرے خلیفہ نے بھی چھ آدمیوں کی کمیٹی (شوریٰ) معین کی تاکہ وہ ان کے جانشین کا انتخاب کرے۔

اس شوریٰ کے ممبر علیؑ، عثمان، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ، زبیر اور سعد ابن ابی وقاص تھے۔

اس شوریٰ نے تین آدمیوں یعنی سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور طلحہ کی اکثریت سے عثمان کے لئے اپنی رائے دی۔ (دوسرے خلیفہ نے یہ تصریح کردی تھی کہ اگر تین آدمی ایک طرف اور تین آدمی دوسری طرف رائے دیں گے تو اس رائے کو ہی جدھر عبدالرحمٰن بن عوف (عثمان کے داماد) ووٹ دیں گے مانا جائیگا)

عثمان کی خلافت کے آخری دور میں مختلف وجوہات کی بناء پر مسلمانوں نے ان کے خلاف شورش کی اور قبل اس کے کہ وہ اپنا جانشین شخصی طور پر یا شوریٰ کے ذریعہ سے مقرر کریں ان کو قتل کر دیا گیا۔

اس وقت تمام مسلمان علیؑ کے پاس آئے اور پیغمبرؐ کے جانشین کی حیثیت سے ان کی بیعت کی۔ مگر معاویہ نے جو اس وقت شام کے گورنر تھے ان کی بیعت نہ کی کیونکہ ان کو یقین تھا کہ علیؑ ان کو موجودہ عہدہ پر باقی نہ رکھیں گے۔

معاویہ نے علیؑ سے مخالفت کا پرچم بلند کیا جو تاریخ اسلام میں ناگوار اور مرگ آفریں حادثات کا سرچشمہ بنا اور جس کی وجہ سے بے گناہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کا خون بہہ گیا۔

اس موقع پر علمی و تاریخی بحثوں کو واضح کرنے کے خیال سے بہت سے سوالات ابھرتے ہیں جن میں سے چند اہم سوالات پر ہم بحث کریں گے۔

۱۔ کیا امت کو پیغمبرؐ کا جانشین مقرر کرنے کا حق ہے ؟

اس سوال کا جواب بالکل پیچیدہ نہیں ہے۔ اگر امامت سے مراد مسلمانوں کی ظاہری رہبری ہے تو ایسے رہبر کا انتخاب عوام کی رائے لے کر کرنا ایک رائج دستور کے مطابق کام ہے۔

لیکن اگر امامت کو ہم اس معنیٰ میں سمجھتے ہیں جس کی توضیح ہم پہلے قرآن مجید کی روشنی میں کر چکے ہیں تو ہم جانتے ہیں کہ خدا یا پیغمبر (وہ بھی الہام الٰہی کے بعد) کے علاوہ کوئی شخص بھی امام اور خلیفہ معین نہیں کر سکتا۔

کیونکہ گذشتہ توضیح کے مطابق امامت کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ امام کو

اسلام کے تمام اصول و فروع کا مکمل علم ہونا چاہئے. ایسا علم جس کا سرچشمہ علم الٰہی اور پیغمبرؐ ہو تاکہ وہ شریعت اسلام کی حفاظت کرسکے.

دوسری شرط یہ ہے کہ امام معصوم ہو. یعنی ہر طرح کی خطاؤں اور گناہوں سے اس کی خدا کی طرف سے حفاظت ہو تاکہ وہ امامت کے منصب اور امت کی روحانی و مادی وظاہری و باطنی رہبری کے عہدہ پر فائز ہوسکے. اور اسی طرح امام کے لئے ضروری ہے کہ اس میں زہد و تقویٰ پرہیزگاری اور بزرگی کی خصوصیات بھی ہوں جو کہ اس عہدہ کے لئے اہم ہیں.

یہ بات مسلم ہے کہ ان شرائط کی موجودگی کی تشخیص سوائے خدا و پیغمبرؐ کسی کیلئے ممکن نہیں ہے. وہی (خدا ہی) ہے جو یہ جانتا ہے کہ کس شخص میں عصمت ہوئی ہوئی ہے اور وہی ہے جو یہ جانتا ہے کہ کس شخص میں مقام امامت کی حفاظت کیلئے مناسب حد تک ضروری علم اور زہد و تقویٰ وشجاعت و بزرگی موجود ہے.

وہ لوگ جنھوں نے امام و خلیفۂ پیغمبرؐ کے تقرر کو انسانوں کے سپرد کردیا ہے درحقیقت انھوں نے امامت کے قرآنی مفہوم ہی کو بدل دیا ہے اور اسے معمولی حکمرانی اور دنیاوی) امور میں انسانوں کی رہبری کے نظام کی حد تک محدود سمجھ لیا ہے. ورنہ امامت کے لئے کسی شخص میں ضروری شرائط کی مکمل وجامع تشخیص محض خدا کے ذریعہ سے ہی ہوسکتی ہے اور وہی ہے جو ان صفات سے باخبر ہے.

یہ بالکل اسی طرح سے ہے کہ جیسے پیغمبرؐ کو لوگوں کی رائے کے ذریعہ سے منتخب نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضروری ہے کہ انتخاب خداوند عالم کی طرف سے ہو اور معجزوں کے ذریعہ سے اسے پہچانا جائے. پیغمبرؐ میں پائی جانے والی لازمی صفات کی تشخیص خدا کے علاوہ کوئی بھی نہیں کرسکتا.

۲۔ کیا پیغمبرؐ نے اپنا جانشین خود مقرر نہیں کیا؟

بلاشک شریعت اسلامی عالمی اور ہمیشہ رہنے والا قانون ہے اور قرآن مجید کی واضح آیتوں کے مطابق کسی خاص زمانہ اور خاص مقام کے لئے مخصوص نہیں ہے۔

یہاں پر اس حقیقت کی بھی تردید نہیں کی جا سکتی کہ پیغمبر اسلامؐ کی وفات کے زمانہ تک یہ آسمانی (الہٰی) قانون جزیرۂ عرب سے باہر نہ پہونچ سکا۔

دوسری طرف پیغمبرؐ کی عمر کے تیرہ برس مکہ میں صرف شرک و بت پرستی سے مقابلہ کرنے میں گذر گئے۔ اور پیغمبرؐ کی عمر کے بقیہ دس برس جن کا آغاز ہجرت کے وقت سے ہوا اور جو اسلام کے پھلنے پھولنے کا زمانہ تھا۔ وہ بھی زیادہ تر دشمنوں کی طرف سے مسلط کردہ جنگوں اور غزوات کی نذر ہو گئے۔

اگرچہ پیغمبرؐ دن رات اسلامی مسائل کی تبلیغ و تعلیم میں صرف کرتے تھے اور اسلام کے تمام شعبوں کا تعارف کراتے تھے لیکن پھر بھی اسلام کے بیشتر مسائل کی مکمل تشریح کے لئے زیادہ وقت درکار تھا اور اسی لئے یہ ضروری تھا کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد انھیں کی مانند کوئی شخص اس اہم ذمہ داری کا بار اٹھائے۔

ان سب باتوں سے قطع نظر کسی تحریک کے لئے آئندہ پیش آنے والے حالات کی پیشنگوئی اور اس کی پائیداری کے لئے تمام وسائل کی فراہمی ایسے اہم ترین مسائل ہیں جن کے بارے میں رہبر فکر مند ہوتا ہے اور اپنے آپ کو ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ اس بنیادی مسئلہ کو فراموش کر دے۔

ان سب باتوں کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ نے جب زندگی کے معمولی مسائل کے لئے احکامات دئے تھے تو کیا ان کو مسلمانوں کے مسئلہ خلافت و رہبری و

امامت کے لئے منصوبہ بندی نہیں کرنی چاہئے تھی ؟!

ان تین وجوہات کا مجموعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے جانشین کو حتمی طور پر مقرر کیا۔ اور بعد میں خدا نے چاہا تو اس سلسلہ میں اسلام کی ان مسلم روایات کا ذکر کریں گے جو اس منطق کی حقیقت کو اور زیادہ روشن کرسکیں گی کہ پیغمبرؐ اپنی زندگی میں اس اہم مسئلہ سے غافل نہیں رہے گو کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد بعض مخصوص سیاسی تحریکوں نے اس بات کی بہت کوشش کی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات راسخ کردیں کہ پیغمبرؐ نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

کیا یہ بات یقین کرنے کے قابل ہے کہ رسولؐ خدا مدینہ سے باہر چند دن کے لئے بھی جب غزوات (مثلاً غزوہ تبوک) میں جاتے تھے تو مدینہ کو خالی نہ چھوڑتے تھے اور جانشین مقرر کرتے تھے لیکن اپنی وفات کے بعد کے لئے انہوں نے اپنا جانشین مقرر کرنے کے لئے کوئی قدم نہ اٹھایا ہو اور امت کو اختلافات و سرگردانیوں کے ایک انبوہ میں یونہی چھوڑ دیا ہو اور آئندہ اسلام کی بقاء کے لئے ہدایت کا مکمل طور پر کوئی انتظام نہ کیا ہو ؟

مسلم طور پر جانشین مقرر نہ کئے جانے سے اسلام کے لئے جس نے ابھی نیا نیا جنم لیا تھا بڑے خطرات کا اندیشہ تھا اور عقل و منطق کی رو سے ایسے فعل کا پیغمبرؐ اسلام سے سرزد ہونا ناممکن ہے۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کام امت کے ذمہ کیا گیا تو ان کو چاہئے کہ کم از کم ایک ہی سند پیش کریں کہ پیغمبرؐ نے اس موضوع کی تصریح کردی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بات کو ثابت کرنے کے لئے ان لوگوں کے پاس ایک سند بھی نہیں جسے وہ پیش کرسکیں۔

۳ــــ اجماع وشوریٰ

اگر ہم یہ فرض کریں کہ پیغمبرؐ اسلام نے اس اہم مسئلہ (مسئلہ جانشینی) پر کوئی توجہ نہ کی اور اس کے انتخاب کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر تھی لیکن ہم جانتے ہیں کہ ''اجماع'' سے مراد تمام مسلمانوں کا اتفاق رائے ہے اور خلیفۂ اوّل کی خلافت کے سلسلہ میں اس طرح کے اتفاق رائے سے بالکل کام نہیں لیا گیا صحابہ میں سے محض چند اصحاب جو مدینہ میں موجود تھے انہوں نے اس بات کا فیصلہ کیا۔ تمام بلاد اسلامی کے عوام نے اس انتخاب میں بالکل شرکت نہیں کی۔ اور خود مدینہ میں بھی حضرت علیؑ اور بنی ہاشم کا ایک بڑا گروہ اس انتخاب میں شامل نہ تھا۔ اس بناء پر ایسا ''اجماع'' قابل قبول نہیں ہو سکتا۔

اور اگر انتخاب کا یہ طریقہ صحیح تھا تو خلیفۂ اوّل نے اپنے جانشین کے مقرر کرنے میں اس طریقے سے کام کیوں نہیں لیا۔ ؟

کیوں ذاتی طور پر اپنا جانشین نامزد کر دیا ؟ اگر ایک شخص کیطرف سے جانشین کا معین کرنا کافی ہے تو پیغمبرؐ جو کہ سب سے بہتر تھے اس کام کو انجام دیتے اور اگر بعد میں لوگوں کی بیعت سے اس مسئلہ کو حل ہونا تھا تو پیغمبرؐ کے بارے میں یہ حل زیادہ بہتر تھا۔

اس سے قطع نظر تیسری مشکل خلیفۂ سوم کے سلسلہ میں پیش آتی ہے کہ کیوں خلیفۂ دوم نے بھی وہ طریقہ جس کے ذریعہ خلیفۂ اول کا انتخاب ہوا تھا پس پشت ڈال دیا اور ساتھ ہی وہ سنّت بھی توڑ دی جس کے ذریعہ وہ خود مسند خلافت پر تھے۔ یعنی خلیفۂ دوم نے نہ تو ''اجماع'' پر عمل کیا اور نہ شخصی نامزدگی پر عمل کیا بلکہ اس

کام کے لئے "شوریٰ" کا انتخاب کیا۔

اصولی طور پر "شوریٰ" صحیح ہے تو کیوں یہ صرف چھ افراد تک محدود تھا؟ اور چھ افراد میں سے صرف تین افراد کی رائے ہی کیوں کافی تھی؟

یہی سوالات ہیں جو تاریخ اسلام میں ہر محقق کے لئے سامنے آتے ہیں اور ان سوالات کا بے جواب ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ رہبر کے مقرر (منصوب) کئے جانے کے لئے یہ طریقے درست نہیں تھے۔

۴۔ علیؑ سب سے افضل تھے

اگر ہم فرض کریں کہ پیغمبرؐ اسلام نے کسی شخص کا بھی اپنی جانشینی کے لئے تعارف نہیں کرایا نیز یہ بھی فرض کرلیں کہ اس کام کی ذمہ داری لوگوں پر تھی تو کیا یہ ممکن ہے کہ جانشین کے انتخاب کرنے کے وقت ایک ایسے شخص کو جو علم و تقویٰ اور دیگر امتیازات کی بناء پر سب سے بہتر و برتر ہو اسے نظر انداز کر کے ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے جو اس سے کمتر ہو۔

دانشورانِ اسلام کے ایک بڑے گروہ یہاں تک کہ اہلسنت نے بھی صاف صاف لکھا ہے کہ اسلامی مسائل میں علیؑ سب سے زیادہ علم رکھتے تھے اور حضرت علیؑ کی روایات و آثار جو موجود ہیں اس حقیقت کے زندہ ثبوت ہیں۔ تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ تمام علمی مشکلات میں آپ امت کے لئے پناہ گاہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر لوگ دیگر خلفاء سے مشکل اور پیچیدہ سوالات کرتے تھے تو یہ خلفاء حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرتے تھے۔

حضرت علیؑ کی شجاعت و بزرگی، زہد و تقویٰ اور ان کے دیگر صفات

حمیدہ سب سے بہتر و برتر تھے۔ اگر یہ فرض کریں کہ امامت (جانشین پیغمبرؐ) کے منصب کا عوام کو انتخاب کرنا چاہئے۔ تو علیؑ سب سے زیادہ لائق و شائستہ تھے۔ (البتہ ان مباحث کے لئے کافی سندیں موجود ہیں جن کا ذکر اختصار کے پیش نظر یہاں پر ممکن نہیں ہے)

سوچئے اور جواب دیجئے!

۱۔ امام و خلیفۂ پیغمبرؐ کا انتخاب عوام کیوں نہیں کر سکتے؟
۲۔ کیا عقل و منطق یہ کہتی ہے کہ پیغمبرؐ نے اپنے لئے جانشین مقرر کیا تھا یا نہیں؟
۳۔ پہلے تینوں خلفاء کے انتخاب کا طریقہ کیا تھا؟
۴۔ کیا ان کے انتخاب کا طریقہ علمی و اسلامی اصولوں کے مطابق تھا؟
۵۔ کن دلیلوں کی بنا پر علیؑ (خلافت کے لئے) سب سے زیادہ مستحق تھے؟

پانچواں سبق

قرآن اور امامت

- قرآن امامت کو خدا کی جانب سے ہونے کو بتاتا ہے
- آیۃ بلّغ کیوں اور کس لئے نازل ہوئی ؟
- اولی الامر کی اطاعت ؟
- آیۃ ولایت کب نازل ہوئی ؟

قرآن یہ ہماری عظیم آسمانی کتاب ہر چیز میں اور مسئلہ امامت میں بہترین رہنما ہے اور اس میں مسئلہ امامت کا مختلف پہلوؤں سے تجزیہ کیا گیا ہے ۔

۱۔ قرآن امامت کو خدا کی جانب سے ہونے کو بتاتا ہے

جیسا کہ ہم نے قبل کی بحثوں میں حضرت ابراہیمؑ کے سلسلے میں پڑھا ہے ۔
قرآن حضرت ابراہیمؑ کی امامت کے عہدہ کو ان کے نبوت و رسالت کے درجہ پر پہونچے کے بعد اور عظیم امتحانات میں کامیابی کے بعد کے درجہ کو سمجھتا ہے اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۴ میں ارشاد فرماتا ہے : " (اے رسولؐ بنی اسرائیل کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ) جب ابراہیمؑ کو ان کے پروردگار نے چند باتوں میں آزمایا اور انہوں نے پورا کر دیا تو خدا نے فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانے والا ہوں ۔
(وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا)

مختلف قرآنی و تاریخی دلائل اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ ابراہیمؑ اس مقام امامت پر بابل کے بت پرستوں سے مقابلہ کرنے، شام کی طرف ہجرت، کعبہ کی تعمیر اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو قربان گاہ میں لے جانے کے بعد پہونچے تھے ۔

جب نبوت و رسالت جیسے مقام کے لئے ضروری ہے کہ اس کا خدا کی طرف سے انتخاب ہو تو مقامِ امامت اور دنیا کی مکمل رہبری جو کہ رہبری کی معراج ہے کے لئے یہ بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے اسکا انتخاب خدا کی طرف سے ہو اور یہ ایسا عہدہ نہیں ہے جس کا انتخاب لوگوں کے ذریعہ انجام پا سکے ۔

اس کے علاوہ اس منصب کے لئے خود قرآن مجید یوں ارشاد فرماتا ہے :
اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تم لوگوں کا امام بنانے والا ہوں)

اسی طرح سورہ انبیاء کی آیت ۷۳ میں قرآن مجید بعض عظیم پیغمبروں ابراہیمؑ، و لوطؑ و اسحٰق و یعقوبؑ کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا: (اور ہم نے ان سب کو (لوگوں کا) امام بنایا کہ ہمارے حکم سے (ان کی) ہدایت کرتے تھے)

اس سے ملتا جلتا مفہوم بعض دوسری قرآنی آیتوں میں بھی دیکھنے میں آتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ الٰہی منصب کا تقرر خدا کی جانب سے ہونا چاہئے۔

اس سے قطع نظر جب ہم حضرت ابراہیم کی امامت سے مربوط آیت کے بعد والے حصّہ کو پڑھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے خدا سے اپنے بیٹوں اور اپنی آیندہ نسل کے لئے اس منصب کی درخواست کی تو خدا کا یہ جواب سنا "لَایَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ" (ہاں مگر میرے اس عہدہ پر ظالموں میں سے کوئی شخص فائز نہیں ہوسکتا) یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اے ابراہیمؑ تمہاری دعا تو قبول ہوئی لیکن تمہارے بیٹوں میں سے جنھوں نے ظلم کیا ہے وہ ہرگز اس منصب برتر (امامت) پر فائز نہ ہوں گے۔

اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ "ظالم" لغوی اور قرآنی منطق کے لحاظ سے بہت وسیع معنی رکھتا ہے جس میں تمام گناہ بشمول شرکِ ظاہری اور شرک باطنی اور اپنے نفس اور دوسروں پر ہر طرح کے ظلم شامل ہیں۔ لہٰذا ان چیزوں کا مکمل طور پر علم بجز خدا کے کسی کے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ صرف خدا ہی لوگوں کی نیتوں اور ان کے باطن سے باخبر ہے۔ اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ منصب امامت کا تقرر صرف خدا کے ہاتھوں میں ہے۔

۲۔ آیۂ بلّغ کیوں اور کس لئے نازل ہوئی ؟

سورۂ مائدہ کی آیت ۶۸ میں اس طرح پڑھتے ہیں :

یَآاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ○ :

(اے رسولؐ ! جو حکم تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے پہونچادو اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (سمجھ لو کہ) تم نے اس کا کوئی پیغام ہی نہیں پہونچایا اور (تم ڈرو نہیں) خدا تم کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا خدا ہرگز کافروں کی قوم کو منزلِ مقصود تک نہیں پہونچاتا)

لیکن اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ کے دوش پر یہ سنگین ذمہ داری تھی اور ہر طرف سے ہونے والی مخصوص مخالفتوں کی پریشانیوں نے ان کو گھیر رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا پیغام تھا جس کی وجہ سے امکان تھا کہ انھیں عوام کے بعض گروہوں کی طرف سے مخالفت کا سامنا کرنا ہوگا۔ اس لئے آیت نے پیغمبرؐ کو اس خاص حکم کے پہونچانے کی تاکید کی اور ان کو ممکن خطرات اور پریشانیوں کے مقابلہ میں اطمینان دلایا۔

مسلّم طور پر اس اہم مسئلہ کا توحید و شرک سے یا یہود و منافقین جیسے دشمنوں کے خلاف جہاد سے کوئی ربط نہ تھا۔ ایسا اس لئے ہے کہ اس وقت تک (سورۂ مائدہ کے نازل ہوتے وقت) یہ مسئلہ مکمل طور پر طے ہو گیا تھا۔

اور ساتھ ہی اسلام کے معمولی احکامات کی تبلیغ کے سلسلہ میں اس طرح کی کوئی زحمت و پریشانی نہیں تھی۔ کیونکہ ظاہراً یہ آیت ایک حکم تھا جس کا پہونچانا رسالت کے ہموزن و ہم پلّہ تھا کہ اگر یہ حکم نہ پہونچایا گیا تو گویا رسالت کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ کیا یہاں پر پیغمبرؐ کی جانشین وخلافت کے مسئلہ کے علاوہ کوئی دوسرا مسئلہ ہو سکتا ہے ؟ بالخصوص جب کہ یہ آیت پیغمبرؐ کی آخری عمر میں نازل ہوئی ہو اور مسئلہ خلافت سے مناسبت بھی رکھتی ہو جس سے پیغمبرؐ اکرم کے مسئلہ نبوت و رسالت کو دوام حاصل ہو سکے۔

اس کے علاوہ زیدابن ارقم ، ابوسعید خدری ، ابن عباس ، جابرابن عبداللہ انصاری ، ابوہریرہ ، حذیفہ وابن مسعود جیسے حضرات سے متعدد روایات نقل ہوئی ہیں۔ ان میں سے بعض روایات ہم تک گیارہ وسیلوں سے پہونچی ہیں اور ان کو دانشوران اہل سنت نے جن میں مفسرین ومحدثین ومورخین شامل ہیں نقل کیا ہے کہ متذکرہ بالا آیت علیؑ اور غدیر کے دن کی داستان کے بارے میں نازل ہوئی ہے (۱)

خدا نے چاہا تو بعد میں روایات وسنّت کے عنوان کے تحت داستانِ غدیر کے بارے میں ہم بیان کریں گے۔ لیکن اس موقع پر اس حد تک یاد دہانی ضروری ہے کہ یہ آیت اس بات کی روشن دلیل ہے کہ پیغمبرؐ گرامی اسلام کا یہ فرض تھا کہ وہ آخری حج سے اپنی واپسی کے وقت وہ اپنی عمر کے آخری دور میں علیؑ کو قانونی طور پر اپنا جانشین منتخب کریں اور عام مسلمانوں سے ان کا تعارف کرائیں۔

---

(۱) اس موضوع پر مزید معلومات کے لئے کتاب" احقاق الحق " " الغدیر" " والمراجعات" " دلائل الصدق" کا مطالعہ کریں۔

۳ ـــ آیۃ اطاعت اولی الامر

ہم سورۂ نساء کی آیت ۵۹ میں پڑھتے ہیں : یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ : (اے ایماندارو! خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرو۔

اس مقام پر اطاعت "اولی الامر" کا حکم بلا کسی قید و شرط کے خدا و پیغمبرؐ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ ہے۔

کیا یہاں پر "اولی الامر" سے مراد ہر زمانے اور ہر ماحول کے فرمانرواؤں اور حکام سے ہے؟ مثلاً کیا ہمارے زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اپنے حاکموں کے بلا کسی قید و شرط کے مطیع ہو جائیں؟ (جیسا کہ بہت سے مفسرین اہلسنت نے بیان کیا ہے یہ بات کسی بھی منطق کی رو سے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ مختلف ادوار و زمانے کے حکمرانوں کی اکثریت منحرف و گنہگار ظالم تھی۔

کیا اس سے مراد یہ ہے کہ حکمرانوں کی اطاعت و پیروی کی جائے اس شرط کے ساتھ ان کا حکم احکام اسلامی کے خلاف نہ ہو؟ یہ بات بھی اس آیت کے مطلق اور عام ہونے کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

اور کیا اس سے مراد مخصوص اصحاب پیغمبرؐ ہیں؟ یہ توضیح بھی آیت کے وسیع مفہوم جو کہ ہر دور اور ہر زمانے کے لئے ہے صحیح نہیں ہے۔

اس بناء پر وضاحت کے ساتھ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے (اولی الامر سے) مراد معصوم پیشوا ہیں جن کا وجود ہر زمانے میں ہے اور جن کی پیروی بلا قید و شرط واجب ہے اور جن کا حکم ماننا خدا و پیغمبرؐ کے حکم کی طرح ضروری ہے۔

نیز اس موضوع پر اسلامی ماخذ میں موجود متعدد حدیثیں جن میں "اولی الامر" کی مطابقت علیؑ یا ائمہ معصومین سے کی گئی ہے وہ بھی اس حقیقت کی گواہ ہیں (۱)

۴ ـــ آیۂ ولایت

سورۂ مائدہ کی آیت ۵۶ میں ہم پڑھتے ہیں : اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ۝ : (اے ایمان والو ! تمہارا ولی اور رہبر تو بس خدا اور اس کا رسول اور وہ مومنین ہیں جو پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں)

قرآن کلمۂ "اِنَّما" ، جو عربی لغت میں انحصار کے لئے آتا ہے کی تاکید کے ساتھ مسلمانوں کے ولی و سرپرست کے لئے صرف تین شخصیتوں کو مخصوص کرتا ہے ! خدا ، پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں .

اس میں کوئی شک نہیں کہ ولایت سے مراد مسلمانوں کی باہم دوستی نہیں ہے ایسا اس لئے ہے کہ عمومی دوستی کے لئے اس قید و شرط کی احتیاج نہیں ہے . سارے مسلمان باہم دوست ہیں اور بھائی ہیں خواہ وہ حالت رکوع میں زکوۃ نہ دیتے ہوں ، اس بنا پر ولایت سے مراد یہاں پر وہی مادی اور روحانی سرپرستی و رہبری ہے ، خاص طور پر اس لئے اولی الامر کی ولایت خدا اور پیغمبرؐ کی ولایت کے پہلو بہ پہلو ہے .

---

(۱) مزید معلومات کے لئے تفسیر نمونہ جلد سوم صفحہ ۴۳۵ ملاحظہ فرمائیں .

یہ نکتہ بھی واضح ہے کہ آیۂ ولایت ان اوصاف کے ساتھ جن کا بیان اس میں ہوا ہے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جس نے حالت رکوع میں زکوٰۃ دی ہے۔ ورنہ یہ ضروری نہیں ہے کہ انسان نماز میں رکوع کے وقت اپنی زکوٰۃ ادا کرے۔ اور درحقیقت توصیف وفضیلت کے بجائے یہ اس شخص کی نشانی اور علامت ہے۔

تمام قرائن وشواہد یہ بتاتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت (آیۂ ولایت) علیؑ کی مشہور داستان کی طرف پُرمعنی اشارہ کرتی ہے کہ حضرت علیؑ رکوع میں مشغول تھے کہ مسجد نبوی میں ایک حاجتمند نے امداد طلب کی۔ کسی نے اسے مثبت جواب نہ دیا، اسی حالت میں علیؑ نے اپنے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی سے اشارہ کیا حاجتمند نزدیک آیا اور اس نے بیش قیمت انگوٹھی حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھی اتار لی۔ پیغمبرؐ نے جو اس واقعہ کا مشاہدہ کر رہے تھے نماز کے بعد سر آسمان کیطرف بلند کیا اور یہ فرمایا: خداوندا! میرے بھائی موسیٰؑ نے تجھ سے دعا کی تھی کہ تو انکی روح کو بالیدہ کردے اور تمام امور کو ان کے لئے آسان کردے اور ان کی زبان کی گرہ کو کھول دے اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر و مددگار بنادے۔ خداوندا! میں محمدؐ تیرا پیغمبرؐ اور برگزیدہ ہوں۔ میرے سینہ کو وسیع کردے اور تمام امور کو مجھ پر آسان کردے۔ میرے خاندان سے علیؑ کو میرا وزیر بنادے تاکہ اس کے وسیلہ سے میری کمر قوی ومضبوط ہو جائے۔"

ابھی پیغمبرؐ کی دعا ختم نہ ہونے پائی تھی کہ جبرئیل نازل ہوئے اور آیۂ ولایت کو اپنے ساتھ لائے۔

مزے کی بات تو یہ ہے کہ اہلِ سنت کے بہت سے بڑے بڑے مفسرین ومورخین ومحدثین نے اس آیۂ ولایت کے نزول کو علیؑ کے بارے میں بتایا

ہے اور اصحاب پیغمبرؐ کے ایک گروہ نے جن کی تعداد دس افراد سے بھی زیادہ ہے خود پیغمبرؐ سے اس حدیث کو نقل کیا ہے ۔

ولایت کے موضوع پر (قرآن میں) بہت سی آیتیں ہیں۔ ہم مذکرہ بالا صرف چار آیتوں پر ہی اس مختصر کتاب میں اکتفا کرتے ہیں ۔

سوچئے اور جواب دیجئے !

۱۔ قرآن کی روشنی میں امام کا انتخاب کس کے ذمہ ہے ؟

۲۔ آیۂ بَلِّغْ .... کن حالات اور کس ماحول میں نازل ہوئی ؟

۳۔ بے قید و شرط پیروی کن اشخاص کے لئے مناسب ہے ؟

۴۔ کیا آیۂ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ .... میں رہبری و امامت کی طرف اشارہ ہے ؟

۵۔ تمام آیاتِ قرآنی سے مسئلہ ولایت کے بارے میں کن مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے ۔ ؟

چھٹا سبق

امامت احادیث کی روشنی میں

- داستانِ غدیر
- حدیث غدیر
- تکمیل دین واتمام نعمت کی بشارت
- کیا حدیث غدیر میں مولا کے معنی رہبر وامام ہیں یا دوست

اسلامی احادیث کی کتابوں کے مطالعہ کے وقت مخصوصاً برادرانِ اہلسنت کی احادیث کے ماخذ میں پیغمبرؐ اسلام کی احادیث کی کثیر تعداد ایسی ملتی ہے جو علیؑ کے منصب امامت و خلافت کو ثابت کرتی ہیں۔

انسان تعجب میں غرق ہو جاتا ہے کہ ان ساری حدیثوں کے ہوتے ہوئے اس مسئلہ امامت پر تردید کا امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا ہے کہ راہِ اہلبیتؑ سے ہٹ کر کوئی گروہ کسی دوسری راہ کا انتخاب کرے۔

یہ احادیث، جن میں بعض کی سینکڑوں سندیں موجود ہیں (مثلاً حدیثِ غدیر) اور بعض کی دسیوں سندیں موجود ہیں اور جو دسیوں مشہور اسلامی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں، اس قدر واضح ہیں کہ اگر ہم تمام بحثوں کو نظر انداز بھی کردیں تاہم یہ مسئلہ ہمارے لئے اتنا واضح و روشن ہو جائے گا کہ کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔

نمونہ کے طور پر حدیثوں کے اس خزانے سے چند حدیثیں اس موقع پر پیش کی جاتی ہیں: اور وہ حضرات جو اس موضوع پر مزید مطالعہ کے خواہشمند ہوں ان کے لئے ہم بعض ماخذ کی نشاندہی کر رہے ہیں تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ (۱)

★ ★ ★

(۱) مزید معلومات کے لئے کتاب "المراجعات" و کتاب "الغدیر" کے ترجموں اور کتاب "نوید امن و امان" کا مطالعہ کریں

داستانِ غدیر

بہت سے مورخین اسلام نے لکھا ہے کہ پیغمبرؐ گرامی اسلام اپنی عمر کے آخری سال میں حج کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اس فریضہ کو انجام دینے کے بعد پیغمبرؐ اپنے پرانے اور نئے ساتھیوں اور اسلام کے شیدائی مسلمانوں (جو کہ حجاز کے گوشہ گوشہ سے ان مراسم (حج) کی ادائیگی کے لئے ان کے ساتھ تھے) کے عظیم اجتماع کے ساتھ مکہ سے واپسی کے وقت مکہ و مدینہ کے درمیان واقع سرزمین "جحفہ" سے گذرتے ہوئے خشک و تپتے ہوئے بیابان "غدیر خم" میں جو کہ درحقیقت ایک چوراہا تھا اور جہاں سے حجاز کے تمام لوگوں کے راستے جدا ہوتے تھے، پہونچے۔

قبل اس کے کہ تمام مسلمان حجاز کے مختلف مقامات کے لئے یہاں سے جدا ہوتے پیغمبرؐ نے اپنے ساتھیوں کو رک جانے کا حکم دیا۔ وہ لوگ جو قافلہ کے آگے آگے چل رہے تھے ان کو واپس آنے کا حکم دیا۔ اور پیچھے رہ جانے والے بھی قافلہ سے آملے۔ فضا بیحد گرم اور تپتی ہوئی تھی اور اس بیابان میں کوئی سایہ دور دور نظر نہیں آرہا تھا مسلمانوں نے پیغمبرؐ کے ساتھ نماز ظہر ادا کی۔ جیسے ہی وہ چاہتے تھے کہ اپنے اپنے خیموں میں پناہ لیں پیغمبرؐ نے اعلان کیا کہ سب ایک نئے اور اہم پیغام الٰہی کو سننے کے لئے جو کہ ایک طویل خطبے کے دوران دیا جائے گا، تیار ہو جائیں۔

حدیثِ غدیر

پالانِ شتر سے ایک منبر بنایا گیا اور اس پر پیغمبرؐ تشریف فرما ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد لوگوں کو مخاطب کر کے یوں فرمایا :

میں خدا کی دعوت پر لبیک کہتا ہوا جلد ہی تمہارے درمیان سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میری ذمہ داری ہے اور تمہاری ذمہ داری ہے۔ تم میرے بارے میں کس طرح کی گواہی دو گے ؟

لوگوں نے اپنی آوازیں بلند کیں اور کہا : نشهد انك قد بلغت ونصحت وجهدت فجزاك الله خيراً : (ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے رسالت کی ذمہ داریوں کو نبھایا اور ہماری بھلائی کے لئے نصیحت کی اور ہماری ہدایت کی راہ میں بے حد زحمت اٹھائی خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے)۔

پیغمبرؐ نے فرمایا : کیا تم سب خدا کی وحدانیت میری رسالت اور روزِ قیامت کی حقانیت اور اس روز (روزِ قیامت) مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی گواہی دیتے ہو ؟ سبھی نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں۔ پیغمبرؐ نے فرمایا : خداوندا گواہ رہنا . . . .

دوبارہ فرمایا : اے لوگو ! کیا تم سب میری آواز سن رہے ہو ؟ سب نے کہا ہاں' اور اس کے بعد سارے بیابان میں ایک خاموشی چھا گئی اور ہوا کی سنسناہٹ کی آواز کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پیغمبرؐ نے فرمایا : اب بتاؤ ان دو گرانمایہ و گرانقدر چیزوں کے ساتھ کیا سلوک کرو گے جو کہ تمہارے درمیان یادگار کے طور پر چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس بھرے مجمع سے کسی

نے سوال کیا یا رسول اللہ وہ گرانقدر چیزیں کون سی ہیں۔

پیغمبرؐ نے ارشاد فرمایا: پہلی گرانقدر چیز کتاب الٰہی "قرآن" ہے۔ اس کے دامن سے اپنا ہاتھ نہ چھڑانا تاکہ گمراہ نہ ہو۔ اور دوسری گرانقدر اور عظیم یادگار میرے "اہلبیت" ہیں۔ اور خداوند لطیف وخبیر نے مجھ کو یہ خبر دی ہے کہ یہ دونوں مجھ سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ بہشت میں میرے پاس آملیں۔ ان دونوں پر سبقت نہ کرنا کہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ نہ ان کے پیچھے رہ جانا کہ اس صورت میں بھی تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

ایکبارگی پیغمبرؐ نے کسی کی تلاش میں اپنے گرد نگاہ ڈالی اور اسی وقت ان نظر علیؑ پر پڑی۔ آپ نے جھک کر علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور ان کو اس قدر بلند کیا کہ آپکی دونوں بغلوں کی سفیدی نمایاں ہوئی اور سب لوگوں نے علیؑ کو دیکھا اور پہچانا۔

اس موقع پر پیغمبرؐ کی آواز زیادہ تیز اور بلند تر ہوئی اور آپ نے فرمایا: ایہا الناس من اولی الناس بالمومنین من انفسھم ؟ لوگوں میں کون سا شخص مومنین پر خود ان کی بہ نسبت بھی زیادہ حق رکھتا ہے۔ سب نے کہا خدا اور اس کا پیغمبرؐ (بہتر جانتے ہیں)

پیغمبرؐ نے فرمایا: خدا میرا مالک و رہبر ہے اور میں مومنین کا حاکم اور رہبر ہوں۔ اور ان کی بہ نسبت میں سب سے بہتر ہوں۔ اس کے بعد فرمایا: فمن کنت مولاہ فعلی مولاہ "(ہر وہ شخص جس کا میں حاکم و رہبر ہوں علیؑ اس کے حاکم اور رہبر ہیں)

اس بات کو پیغمبرؐ نے تین بار دہرایا اور بعض حدیث کے راویوں کے مطابق اس بات کو چار بار دہرایا۔ اس کے بعد سر کو آسمان کیطرف بلند کیا اور

کہا : "اللّٰھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ، واحب من احبہ وابغض من ابغضہ ، وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق معہ حیث دار !"

(خداوندا ! اس کے دوستوں کو دوست رکھ اور اس کے دشمنوں کو دشمن رکھ ۔ اس شخص کو محبوب رکھ جو اس کو محبوب رکھے اور شخص پر غضب نازل کر جو اپنے دل میں اس سے کینہ رکھے ۔ اس کے مددگاروں کی تو مدد کر اور اس کا ساتھ چھوڑنے والوں کو تو بھی محروم رکھ ۔ جدھر جدھر وہ جائے حق بھی ادھر ادھر جائے ۔)

اس کے بعد پیغمبرؐ نے فرمایا : "تمام حاضرین اس پیغام کو ان افراد تک جو یہاں موجود نہیں ہیں پہونچائیں"

ابھی مسلمانوں کی صفیں برخاست نہیں ہوئی تھیں کہ امین وحی خدا جبرئیل نازل ہوئے اور یہ آیت پیغمبر تک پہونچائی : اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ ....

"آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں"۔

اس موقع پر پیغمبرؐ نے فرمایا : اللّٰہ اکبر، اللّٰہ اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمۃ و رضی الرب برسالتی والولایۃ لعلی من بعدی "خدایا تیری کبریائی کا اعلان کرتا ہوں خدایا تیری کبریائی اعلان کرتا ہوں اس بات پر کہ تو نے اپنے دین کو کامل کر دیا اور اپنی نعمتوں کو ہم پر تمام کر دیا اور تو نے میری رسالت سے اپنی خوشنودی اور میرے بعد علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا۔"

اس وقت لوگوں کے درمیان ایک شور تھا اور سب ہی نے علیؑ کو اس منصب پر مبارکباد پیش کی۔ ان میں سے ابوبکر و عمر نے تمام مجمع کے سامنے علیؑ سے یہ جملہ کہا:
بخ بخ لك یابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولای و مولا کل مومن و مومنۃ (مبارک ہو آپ کو مبارک ہو آپ کو اے فرزند ابو طالبؑ آپ میرے حاکم و رہبر اور تمام مومنین و مومنات کے حاکم و رہبر ہو گئے)!

حدیثِ غدیر کی سند

دانشورانِ اسلام کے ایک بڑے گروہ نے اس حدیث غدیر کو مختلف عبارتوں کے ساتھ کہیں مفصل اور کہیں انتہائی اختصار سے اپنی کتابوں میں بیان کیا ہے اور یہ حدیث متواتر حدیثوں میں ہے کہ جس کے پیغمبرؐ کے ذریعہ بیان ہونے کی کوئی تردید نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ مصنف و محقق "علامہ امینیؒ" نے اس حدیث کو اپنی مشہور کتاب "الغدیر" میں پیغمبرؐ کے ایک سو دس اصحاب سے اور تین سو ساٹھ مشہور دانشوروں اور کتابوں سے نقل کیا ہے۔ اور برادرانِ اہلسنت کی تفسیر و تاریخ و حدیث کی اکثر کتابوں میں بیان کی گئی ہے۔ یہاں تک کہ علمائے اسلام کے ایک بڑے گروہ نے خصوصیت کے ساتھ اس حدیث کے بارے میں مستقل کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں علامہ امینی جنھوں نے خود ایک گرانقدر و کم نظیر کتاب اس موضوع پر لکھی ہے ان چھبیس ۲۶ علماء اسلام کے نام لکھے ہیں جنھوں نے حدیث غدیر کے موضوع پر ایک علیحدہ کتاب لکھی ہے۔

کیا حدیث غدیر میں مولا کے معنی رہبر اور امام ہیں یا دوست؟

بعض حضرات چونکہ حدیث غدیر کی سند کا انکار نہیں کر سکتے تھے لہٰذا انہوں نے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ حدیث امامت وخلافت کے مسئلہ پر دلالت نہیں کرتی یہ لوگ یہاں پر "مولا" کے معنی صرف "دوست" بتاتے ہیں حالانکہ حدیث کے مضمون پر توجہ اور اس کے ارشاد کا مقام و وقت اور دیگر حالات بخوبی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اس حدیث کا مقصد مسئلہ امامت وولایت اور دنیا کی مکمل رہبری کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

(الف) : آیۂ "بلغ" جس کا بیان گزشتہ بحث میں آیا ہے اور جو اس واقعہ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور تیز وتند لہجہ اور جو قرائن وشواہد اس میں تھے بخوبی اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ یہ گفتگو عام "دوستی" اور رفاقت کے لئے نہ تھی کیونکہ یہ بات قابلِ تشویش نہ تھی اور اس کے اظہار کے لئے ایسی اہمیت وتاکید ضروری نہیں تھی۔ اسی طرح آیۂ "اکمال دین" جو کہ اس واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس بات کی گواہ ہے کہ پیغمبرؐ کی رہبری وجانشینی کا یہ مسئلہ غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا جس کے بارے میں یہ گفتگو کی گئی ہے۔

(ب) : ان تمام مقدمات کے ساتھ، اس تپتے ہوئے بیابان میں، اس مفصل خطبہ کے ساتھ لوگوں سے اقرار لینا اور وقت ومقام کے ان نازک حالات میں حدیث غدیر کا بیان یہ سب ہمارے مقصد کو ثابت کرنے کے لئے دلیلیں ہیں۔

(ج) مختلف گروہوں اور مختلف اشخاص کی علیؑ کو دی گئی مبارکبادیں نیز وہ اشعار جو شعراء نے اسی روز اور اس کے بعد کہے یہ سب اس حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ

یہ گفتگو علیؑ کے امامت و ولایت کے بلند و بالا منصب پر انتخاب کے سلسلہ میں تھی نہ کہ کسی دوسری چیز کے بارے میں۔

★ ★ ★

سوچئے اور جواب دیجئے!

۱۔ داستان غدیر کی شرح کیجئے۔
۲۔ حدیث غدیر پیغمبرؐ اکرم سے چند سندوں کے ذریعہ اور چند مشہور اسلامی کتابوں میں نقل ہوئی ہے؟
۳۔ کیوں حدیث غدیر میں "مولا" کے معنی رہبر و امام ہیں نہ کہ دوست؟
۴۔ داستانِ غدیر کے بعد پیغمبرؐ نے علیؑ کے بارے میں کیا دعا کی؟
۵۔ "غدیر" اور "جحفہ" کہاں واقع ہیں؟

ساتواں سبق

حدیث منزلت اور حدیث یوم الدّار

- حدیث منزلت کیا ہے ؟
- حدیث منزلت کتنے مقامات پر بیان کی گئی ہے ؟
- حدیث منزلت کا معنی و مفہوم۔
- حدیث یوم الدار اور اس کا معنی و مفہوم .

حدیثِ منزلت کیا ہے ؟

بڑے بڑے شیعہ اور اہل سنّت کے مفسرین نے سورۂ اعراف کی آیت ۱۴۲ جس میں موسیٰ کے چالیس راتوں کے لئے خدا کی وعدہ گاہ کیطرف جانے کی اور ان کے جانشین ہارون سے ان کی گفتگو کی بات کی گئی ہے اس کے ذیل میں مشہور "حدیث منزلت" کو نقل کیا ہے.

یہ حدیث (منزلت) اس طرح ہے: پیغمبرؐ نے جب میدان تبوک کیطرف سفر کیا تو علیؑ کو اپنے جانشین کے طور پر مدینہ میں چھوڑ دیا (تبوک جزیرۂ عرب کے شمال میں اور مشرقی روم کے شہنشاہ کی سلطنت کی سرحد کا ایک مقام تھا)۔ پیغمبرؐ کو لوگوں نے یہ خبر دی تھی کہ مشرقی روم کے شہنشاہ نے ایک بڑی فوج تیار کر لی ہے تاکہ وہ حجاز و مکہ و مدینہ پر حملہ کر سکے. اور اس سے قبل کہ اسلامی انقلاب اپنے انسانیت اور حصولِ آزادی کے مخصوص پروگرام کے ساتھ اس مقام تک پہونچے یہ فوج اس کو ختم کر دے.

علیؑ نے کہا کیا آپ مجھ کو بچّوں اور عورتوں کے درمیان چھوڑ دیں گے ؟ (اور اس کی اجازت نہیں دیں گے کہ آپ کے ساتھ میدان جہاد میں چلوں اور اس عظیم افتخار کو حاصل کروں) ؟

پیغمبرؐ نے فرمایا: الا ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لیس نبی بعدی ؟ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰؑ سے تھی بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ ؟

مندرجہ بالا عبارت اہل سنّت کی مشہور ترین حدیثوں کی کتابوں یعنی صحیح بخاری و صحیح مسلم میں نقل ہوئی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ صحیح بخاری میں مکمل حدیث نقل ہوئی ہے اور صحیح مسلم میں ایک بار مکمل حدیث اور ایک بار صرف یہ جملہ: "انت منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی" ایک کلی اور عام کلمہ کی صورت میں نقل کیا ہے (۱)

یہ حدیث اہل سنت کی بہت سی کتابوں مثلاً "سنن ابن ماجہ" "سنن ترمذی" "مسند احمد" اور بہت سی دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔ اور اس حدیث کے راوی بیس سے زیادہ افراد ہیں جن میں "جابر بن عبداللہ انصاری" "ابو سعید خدری" اور عبداللہ بن مسعود" اور "معاویہ" شامل ہیں۔

"تاریخ بغداد" میں "ابو بکر بغدادی" نے "عمر بن خطاب" سے اس طرح نقل کیا ہے: انھوں نے ایک شخص کو دیکھا کہ علیؑ کو برا بھلا کہہ رہا ہے عمر نے اس سے کہا میرا خیال ہے کہ تو ایک منافق ہے اس لئے کہ پیغمبرؐ سے میں نے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: انما علی منی بمنزلۃ هارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی: علیؑ کی نسبت میرے لئے ویسے ہی ہے جس طرح ہارون کی نسبت موسیٰ سے تھی بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں ہے۔ (۲)

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ معتبر ماخذ کے مشاہدہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسی بات (حدیث منزلت) کو صرف جنگ تبوک کی داستان کے ذیل میں نہیں فرمایا بلکہ سات مختلف مواقع پر ارشاد فرمایا جو کہ اس حدیث کے

(۱) صحیح بخاری۔ جزء ۶ ۔ صفحہ ۳ ۔ و صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۴۴ و جلد ۴ صفحہ ۱۸۷

(۲) تاریخ بغداد ۔ جلد ۷ صفحہ ۴۵۲

عام اور واضح مفہوم کی دلیل ہے:

۱۔ "پہلے اخوت کے روز" یعنی مکہ میں جب پیغمبرؐ نے لوگوں کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم کیا تو اس وقت اس عہد و پیمان میں علیؑ کا انتخاب اپنے بھائی کے طور پر کیا اور یہی جملہ (حدیث منزلت) ارشاد فرمایا۔

۲۔ "دوسرے اخوت کے روز" جب یہی اخوت کا عہد و پیمان مہاجرین و انصار کے درمیان مدینہ میں دوبارہ انجام پایا تو پھر علیؑ کا انتخاب اپنے بھائی کے طور پر کیا اور پیغمبرؐ نے حدیثِ منزلت کو دوبارہ ارشاد فرمایا۔

۳۔ اس روز جب کہ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ تمام گھروں کے دروازے جو مسجد نبوی میں کھلتے ہیں بند کر دیئے جائیں اور صرف علیؑ کے گھر کے دروازے کو کھلا رکھا گیا تو پیغمبرؐ نے اس موقع پر بھی حدیث منزلت بیان فرمائی۔

۴۔۵۔۶۔۷۔ اسی طرح غزوۂ "تبوک" اور تین دوسرے موقعوں پر، جس کی تمام سندیں اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں، پیغمبرؐ نے یہ حدیث منزلت ارشاد فرمائی۔

اس بناء پر حدیثِ منزلت کی نہ تو سند کے اعتبار سے تردید کی گنجائش رہ جاتی ہے اور نہ عام مفہوم کے اعتبار سے۔

★ ★ ★

حدیثِ منزلت کا مفہوم

اگر غیر جانبداری سے ہم اس حدیث منزلت پر غور کریں اور اپنے ذاتی مفاہیم اور فیصلوں کو علیحدہ رکھیں تو اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ بنی اسرائیل

کے درمیان وہ تمام عہدے جو ہارون کو حاصل تھے نبوت کے علاوہ علیؑ بھی ان تمام عہدوں کے حامل تھے۔ اور یہ اس لئے ہے کہ حدیث میں کسی قسم کی کوئی دوسری قید و شرط موجود نہیں ہے۔ اس بنا پر مندرجہ ذیل نتائج نکلتے ہیں:

۱۔ پیغمبرؐ کے بعد علیؑ امت مسلمہ میں سب سے زیادہ افضل تھے۔ (چونکہ ہارون کو بھی یہ مقام حاصل تھا)

۲۔ علیؑ پیغمبرؐ کے وزیر اور ان کے خاص معاون اور ان کی رہبری کے خاص جزو تھے کیونکہ قرآن ہارون کے لئے ان تمام عہدوں کا تذکرہ کرتا ہے۔

(سورۂ طٰہٰ آیات ۲۹ سے ۳۲)

۳۔ علیؑ پیغمبرؐ کے جانشین اور خلیفہ تھے اور ان کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا شخص اس عہدہ پر فائز نہیں ہو سکتا۔ یہ اسی طرح ہے جیسا کہ موسیٰؑ کی نسبت سے ہارون کا مقام تھا۔

★ ★ ★

حدیث یوم الدّار

اسلامی تواریخ میں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے اس کے مطابق پیغمبرؐ بعثت کے تیسرے سال اس بات پر مامور ہوئے کہ اسلام کے متعلق اپنی مخفی دعوت کو ظاہر کریں چنانچہ سورۃ الشعراء کی آیت ۲۱۴ میں ذکر کیا گیا ہے: وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ: (اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو دین اسلام کی طرف دعوت دو اور انھیں) عذاب خدا سے باخبر کرو۔

پیغمبرؐ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کو اپنے چچا ابو طالبؑ کے گھر پر دعوت دی

اور کھانے کی ضیافت کے بعد یوں فرمایا: "اے عبد المطلب کے فرزندو! خدا کی قسم میں عرب میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے لئے میری لائی چیز (نعمت) سے بہتر چیز لایا ہو۔ میں تمہارے لئے دنیا و آخرت کی نیکیوں کو لایا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس قانون (شریعت اسلامی) کی طرف دعوت دوں۔ تم میں سے کون ہے جو میری مدد کرے تاکہ میرا بھائی، وصی اور جانشین ہو۔؟

کسی شخص نے بھی اس کام کو انجام دینے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ فقط علیؑ جو سب سے زیادہ کمسن تھے اٹھے اور عرض کی: "اے خدا کے رسولؐ! میں اس راہ اسلام میں آپ کا دوست و مددگار ہوں۔" پیغمبرؐ نے علیؑ کی گردن پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ان ھذا اخی ووصی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ: (یہ میرا بھائی اور میرا وصی و جانشین ہے تمہارے درمیان۔ اسکی بات کو سنو اور اس کے حکم کی اطاعت کرو) لیکن اس گمراہ قوم نے نہ صرف یہ کہ پیغمبرؐ کی بات نہیں مانی بلکہ آپ کا مذاق بھی اڑایا۔

مذکورہ حدیث جو حدیث "یوم الدار" (یعنی گھر پر دعوت کے روز کی حدیث) کے نام سے مشہور ہے کافی حد تک (علیؑ کی جانشینی کو) واضح کرتی ہے اور سند کے اعتبار سے بھی اس حدیث کو بہت سے اہل سنت دانشوروں نے جیسے "ابن ابی جریر" و "ابن ابی حاتم" و "ابن مردویہ" و "ابو نعیم" و "بیہقی" و "ثعلبی" و "طبری" و "ابن اثیر" اور ابو الفداء اور دوسرے حضرات نے بھی نقل کیا ہے۔[1]

اگر ہم حدیث یوم الدار پر غیر جانبدارانہ طریقے سے غور کریں تو علیؑ کی ولایت

---

(۱) مزید معلومات کے لئے کتاب "المراجعات" کے صفحہ ۱۳۰ کے بعد اور کتاب احقاق الحق جلد ۴ صفحہ ۶۲ کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

و خلافت سے متعلق حقائق واضح ہو جاتے ہیں کیونکہ اس میں مسئلہ خلافت و ولایت کا ذکر وضاحت سے کیا گیا ہے۔

★ ★ ★

سوچئے اور جواب دیجئے!

۱۔ حدیث منزلت کیا ہے؟ اور کتنے مقامات پر یہ بیان کی گئی ہے؟
۲۔ حدیث منزلت علیؑ کے کن فضائل اور مقامات کو ثابت کرتی ہے؟
۳۔ قرآنی نصوص کے مطابق ہارونؑ کو موسیٰؑ کی نسبت سے کیا مقامات حاصل تھے؟
۴۔ حدیث منزلت کو کن دانشوروں نے نقل کیا ہے؟
۵۔ حدیث یوم الدار اور اس معنی و مفہوم و اسناد اور اس کے ذریعہ اخذ کئے گئے نتیجہ کو بیان کیجئے۔

آٹھواں سبق

حدیثِ ثقلین اور حدیثِ سفینہ

- حدیثِ ثقلین کے اسناد
- حدیث ثقلین ابوذر غفاری کے بیان کے مطابق۔
- حدیث ثقلین کا مفہوم
- حدیث سفینہ اور اس کا مفہوم

حدیث ثقلین کے اسناد

علمائے اہل سنت و شیعہ کے درمیان مشہور و معروف حدیثوں میں سے ایک "حدیثِ ثقلین" ہے۔

اس حدیث کو صحابہ کی ایک بڑی تعداد نے پیغمبرؐ سے بلا واسطہ نقل کیا ہے اور بعض بڑے علماء اس حدیث کے راویوں کی تعداد کو تیس سے بھی زائد سمجھتے ہیں۔(۱)

مفسرین و محدثین و مورخین کے ایک بڑے گروہ نے اس حدیث کو اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور ان تمام حقائق کی بناء پر اس حدیث کے متواتر ہونے کی کوئی تردید نہیں کی جا سکتی۔

بزرگ عالم سیّد ہاشم بحرانی نے اپنی کتاب "غایۃ المرام" میں اس حدیث کو علمائے اہل سنت کی ۳۹ سندوں اور علماء شیعہ کی ۸۰ سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور ہندوستان کے ایک بزرگ عالم علامہ میر حامد حسین عبقاتیؒ نے اس سلسلہ میں مزید تحقیق و جستجو کر کے تقریباً دو سو علمائے اہل سنت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس حدیث کے بارے میں اپنی تحقیقات کو ایک بڑی کتاب کی ۶ جلدوں میں جمع کر دیا ہے۔

مشہور صحابہ میں جن حضرات نے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ ان میں "ابوسعید خدری" "ابوذر غفاری" "زید بن ارقم" "زید بن ثابت" "ابو رافع" "جبیر بن مطعم" "حذیفہ" "ضمرہ اسلمی" جابر بن عبداللہ انصاری

---

(۱) سیرۃ حلبی ۔ جلد ۳ ۔ صفحہ ۳۰۸

اور "ام سلمہ" کا نام لیا جا سکتا ہے

حدیث ثقلین ابوذر غفاری کے بیان کے مطابق

"ابوذر غفاری" کے بیان کے مطابق اصل حدیث یوں ہے: "وہ (ابوذر غفاری) اس حال میں جب کہ خانہ کعبہ میں تھے لوگوں کی طرف اپنا منھ کر کے کہتے تھے کہ میں پیغمبرؐ سے سنتا تھا کہ وہ فرماتے تھے: انی تارک فیکم الثقلین: کتاب اللہ وعترتی: وانھما لن تفترقا حتی یردا علی الحوض! (میں تمہارے درمیان دو گرانقدر یادگاریں چھوڑ رہا ہوں: "قرآن" اور "میرے اہلبیتؑ"۔ اور یہ دونوں ہرگز آپس میں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں۔ پس دھیان رکھو اور دیکھو کہ ان دونوں کے بارے میں میری سفارش کا تم لوگ لحاظ رکھتے ہو؟) (۱)

یہ روایت اہلسنت کے معتبر ترین ماخذ مثلاً "صحیح ترمذی" "نسائی" "مسند احمد" "کنز العمال" "مستدرک حاکم" وغیرہ میں نقل ہوئی ہے۔

بہت سی روایات میں "ثقلین" سے مراد دو گرانقدر چیزیں" اور بعض روایات میں اس سے مراد "خلیفتین" یا "دو جانشین" کیا گیا ہے جو کہ مفہوم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں رکھتا۔

قابل توجہ خاص طور پر یہ بات ہے کہ مختلف اسلامی حدیثوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس روایت (حدیث ثقلین) کو مختلف مواقع پر لوگوں کے

(۱) ینابیع المودۃ صفحہ ۳۷ کے مطابق جامع ترمذی سے نقل کیا گیا۔

گوش گذار کرایا۔

"جابر بن عبداللہ انصاری" کی حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یہ حدیث سفر حج کے دوران روز عرفہ ارشاد فرمائی۔

"عبداللہ بن حنطب" کی حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس حدیث کو سرزمین "جحفہ" (یہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک مقام ہے جہاں سے بعض حاجی احرام باندھتے ہیں) بیان فرمایا۔

"ام سلمہ" کی حدیث میں ہم پڑھتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اس حدیث کو غدیر خم میں ارشاد فرمایا:۔

بعض احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس حدیث کو اپنی عمر مبارک کے آخری دنوں میں بستر علالت پر ارشاد فرمایا۔

اور ایک حدیث میں وارد ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس حدیث کو مدینہ میں منبر پر ارشاد فرمایا (۱)

یہاں تک کہ اہلسنت کے مشہور عالم "ابن حجر" نے اپنی کتاب "الصواعق المحرقہ" میں پیغمبرؐ سے اس طرح نقل کیا ہے: پیغمبر اسلامؐ نے اس حدیث ثقلین کو بیان کرنے کے بعد علیؑ کا ہاتھ پکڑا اور بلند کیا اور فرمایا: یہ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے۔ قرآن اور علیؑ آپس میں جدا نہیں ہوسکتے یہاں تک کہ میرے پاس کوثر پر پہونچیں" (۲)

اور اس طرح یہ واضح ہوجاتا ہے کہ پیغمبرؐ نے اس بنیادی مسئلہ (علیؑ کی جانشینی) کے لئے بار بار تاکید کی اور اس سرنوشت ساز حقیقت کے اظہار

(۱) "المراجعات"۔ صفحہ ۴۲

(۲) "الصواعق المحرقہ"۔ صفحہ ۷۵

کے لئے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا تاکہ ہرگز ہرگز اس مسئلہ سے غفلت نہ برتی جائے۔

★ ★ ★

حدیث ثقلین کا مفہوم

اس موقع پر چند باتیں قابلِ غور ہیں :

(۱) قرآن و عترت کا " دو خلیفہ " یا " دو گرانقدر چیزوں " کے طور پر تعارف اس بات کی روشن دلیل ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان دونوں کا دامن اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ خاص طور پر جب کہ بہت سی روایات میں یہ اس شرط کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: " اگر ان دونوں کا دامن نہ چھوڑو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے "۔ یہ حقیقت بڑی تاکید کے ساتھ روشن ہو جاتی ہے۔

(۲) اس حدیث میں " قرآن " کو " عترت " کے ساتھ اور " عترت کو قرآن " کے ساتھ ساتھ قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ جس طرح قرآن میں تحریف نہ ہوگی اور وہ ہر طرح سے پاک و محفوظ ہے۔ اسی طرح عترت (خاندانِ پیغمبرؐ) بھی عصمت کی حامل رہے گی۔

(۳) بعض روایات میں اس بات کی تصریح ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا: " روز قیامت میں تم لوگوں سے ان دونوں اہم یادگاروں کے ساتھ کئے گئے تمہارے برتاؤ کے بارے میں سوال کروں گا تاکہ دیکھوں کہ تمہارا سلوک ان کے ساتھ کیسا تھا ؟ "

(۴) بلاشک ہم جس طرح بھی عترتؑ و اہل بیتؑ " کی تفسیر کریں علیؑ زیادہ نمایاں طور پر اس کے سب سے بڑے مصداق ہیں اور متعدد روایات کی روشنی

ہیں وہ ہرگز قرآن سے جدا نہیں ہوئے اور نہ قرآن ہی ان سے جدا ہوا۔

اس کے علاوہ متعدد روایات میں ہم پڑھتے ہیں کہ آیۂ "مباہلہ" کے نزول کے وقت پیغمبر اکرمؐ نے علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ علیہم السلام کو پکارا اور فرمایا: "یہ سب میرے اہل بیتؑ ہیں"۔ (۱)

(۵) گوکہ قیامت سے متعلق مسائل ہمارے لئے اس دنیا کی چہار دیواری میں محصور ہونے کی وجہ سے پوری طرح واضح نہیں ہیں لیکن جس حد تک روایات سے پتہ چلتا ہے اس کی روشنی میں "حوض کوثر" سے مراد بہشت میں ایک بے حد اہم نہر ہے جو خالص مومنین اور خاص طور پیغمبرؐ و ائمہ اہل بیت اور ان کے ماننے والوں کے لئے ہے۔

مجموعی طور پر جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ پیغمبرؐ کے بعد امت کے مرجع اور مسلمانوں کے رہبر علیؑ ہیں اور علیؑ کے بعد بھی (گیارہ) امام ان کے خاندان سے ہیں۔

★ ★ ★

حدیث سفینہ

اہل سنت اور شیعوں کی کتابوں میں نقل کی گئی پیغمبرؐ گرامی اسلام کی دلکش حدیثوں میں سے ایک مشہور حدیث "حدیث سفینۂ نوح ہے"۔

اس حدیث میں ابوذر کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے یوں فرمایا: الا ان مثل اھل

---

(۱) "مشکوٰۃ المصابیح" صفحہ ۵۶۸ مطبوعہ دہلی "ریاض النضرۃ" جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ (مسلم و ترمذی سے نقل کی گئی)

بیتی فیکم مثل سفینۃ نوحؑ من رکبھا نجی ومن تخلّف عنھا غرق :
(میرے خاندان اہل بیتؑ کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو شخص اس میں سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے جدا ہوا وہ ڈوب گیا) ۔ (۲)

اس حدیث میں بھی جو مشہور حدیثوں میں سے ہے، آنحضرت کی وفات کے بعد لوگوں کو علیؑ اور خاندانِ پیغمبرؐ کی لازمی پیروی کے لئے بہت تاکید کی گئی ہے ۔

اس بات کا خیال رکھتے ہوئے کہ اس عظیم وعالمگیر طوفانِ نوح کے وقت اکیلے کشتیِ نوح ہی نجات کا ذریعہ تھی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امت مسلمہ کے لئے پیغمبرؐ کی وفات کے بعد جو بھی طوفان پیش آئے ان میں تنہا راہِ نجات محبتِ اہلبیت علیہ السلام اور اہل بیتؑ کے دامن سے تمسک ہی تھا اور ہے ۔

(۲) مستدرک حاکم ۔ جلد ۳ ۔ صفحہ ۱۵۱

سوچئے اور جواب دیجئے!

۱۔ حدیث ثقلین کا مفہوم کیا ہے؟ اور اس سے اہل بیتؑ کے کن امتیازات کی وضاحت ہوتی ہے؟

۲۔ حدیث ثقلین کو کن اشخاص نے نقل کیا ہے؟

۳۔ "ثقلین" سے کیا مراد ہے اور کیا بجائے اس کے حدیث میں دوسرے معنی بھی بیان کئے گئے ہیں؟

۴۔ پیغمبرؐ اسلام نے اس حدیث ثقلین کو کن مواقع پر ارشاد فرمایا؟

۵۔ حدیثِ سفینہ کو سند اور معنی کے لحاظ سے بیان کیجئے۔

❖ ❖ ❖

نواں سبق

بارہ امام

- بارہ اماموں کے بارے میں روایات واحادیث
- ان احادیث کا مفہوم
- ناموں کے ساتھ اماموں کی تشخیص
- ہر وہ شخص جو دنیا سے رخصت ہو جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے ؟
- سوچئے اور جواب دیجئے ۔

بارہ اماموں کے بارے میں روایات

امیرالمومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کی بلا فصل امامت وخلافت کو ماننے کے بعد ہمارے درمیان دوسرے اماموں کی بات آتی ہے۔

اس سلسلہ میں بھی مختصر بحث اس طرح ہے:

اول یہ کہ آج ہمارے پاس اہل سنّت وشیعہ کی کتابوں میں بیان کی گئی متعدد روایات موجود ہیں جو پیغمبرؐ کے بعد بارہ خلفاء وائمہ کی خلافت کے بارے میں مکمل معلومات بہم پہونچاتی ہیں۔

یہ حدیث اہل سنت کے بیحد مشہور ماخذ مثلاً "صحیح بخاری" "صحیح ترمذی" "صحیح مسلم" "صحیح ابی داؤد" اور "مسند احمد" اور ایسی ہی دوسری کتابوں میں نقل ہوئی ہے۔

کتاب "منتخب الاثر" میں دوسو اکھتر ۲۷۱ حدیثیں اس سلسلہ میں نقل ہوئی ہیں جن کا بیشتر حصہ علماء اہل سنّت کی کتابوں سے اور بقیہ علماء شیعہ کی کتابوں سے نقل ہوا ہے۔

مثال کے طور پر "صحیح بخاری" میں جو کہ اہل سنّت کی سب سے زیادہ مشہور کتاب ہے، ہم یوں پڑھتے ہیں:

"جابر بن سمرۃ" کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا ہے کہ انھوں نے فرمایا: یکون اثنا عشرا امیراً ۔ فقال کلمۃ لم اسمعھا ۔ فقال ابی انہ قال کلھم من قریش: (میرے بعد بارہ "امیر" ہوں گے۔ اس کے بعد ایک جملہ ارشاد فرمایا جسے میں نے نہیں سنا لیکن میرے باپ نے کہا کہ پیغمبرؐ نے فرمایا یہ سب خاندان

قریش سے ہوں گے۔ (۱)

"صحیح مسلم" میں اسی حدیث کو اسطرح نقل کیا گیا ہے کہ: "جابر" کہتے ہیں کہ میں نے پیغمبرؐ سے سنا کہ انھوں نے فرمایا: لایزال الاسلام عزیزاً الی اثنا عشر خلیفة ثم قال کلمة لم افهمها فقلت لابی ماقال فقال کلهم من قریش: (اسلام ہمیشہ گرانقدر رہے گا یہاں تک کہ میرے بارہ خلیفہ ہونگے۔ اس کے بعد ایک جملہ ارشاد فرمایا جسے میں نہ سمجھ سکا اور میں نے اپنے باپ سے پوچھا تو انہوں نے کہا پیغمبرؐ نے فرمایا کہ یہ سب (بارہ خلیفہ) قبیلۂ قریش سے ہونگے۔ (۲)

کتاب "مسند احمد" میں مشہور صحابی "عبداللہ بن مسعود" سے اس طرح روایت نقل ہوئی ہے کہ پیغمبرؐ سے ان کے خلفاء کے بارے میں لوگوں نے سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: "اثنا عشر کعدة نقباء بنی اسرائیل" (میرے خلفاء بارہ عدد ہوں گے اسی طرح جیسے بنی اسرائیل کے نقباء و رؤساءِ قوم کی تعداد بارہ تھی (۳)

اِن احادیث کا مفہوم

یہ احادیث جن میں سے بعض میں عزتِ اسلام بارہ خلفاء کے ذریعہ سے اور بعض حدیثوں میں قیامت تک دینِ اسلام کی بقاء و حیات بارہ خلفاء کے ذریعہ سے جو سب خاندانِ قریش سے ہوں گے بیان کی گئی ہے اور بعض حدیثوں میں کہا

---

(۱) صحیح بخاری۔ جزء ۹ کتاب الاحکام صفحہ ۱۰۰

(۲) صحیح مسلم۔ کتاب الامارہ۔ باب الناس۔ تبع القریش۔

(۳) مسند احمد۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۹۸۔

گیا ہے کہ یہ سب "خاندان بنی ہاشم" سے ہوں گے۔ ان حدیثوں کی تطبیق اسلام کے تمام مذاہب میں بجز مذہب شیعہ کے کسی اور مذہب سے نہیں ہوتی۔ کیوں کہ شیعہ کے اعتقادات کے مطابق ان احادیث کی توجیہ مکمل طور پر واضح ہے۔ حالانکہ علمائے اہلسنت ان احادیث کی توجیہ کے سلسلہ میں سخت پریشانی میں مبتلا ہیں۔

کیا خلفاء سے مراد پہلے چاروں خلفاء معہ خلفاء بنی امیہ و خلفاء بنی عباس عباس ہیں۔؟

حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ نہ تو پہلے خلفاء کی تعداد بارہ تھی اور نہ خلفاءِ بنی امیہ کو ملاکر ان کی تعداد بارہ تھی اور نہ خلفاءِ بنی عباس کو ملاکر ان کی تعداد بارہ تھی۔ اور خلفاء کی یہ تعداد کسی بھی حساب سے بھی بارہ کی تعداد سے مطابقت نہیں رکھتی۔

اس کے علاوہ خلفاء بنی امیہ میں "یزید" جیسا شخص اور خلفاءِ بنی عبّاس میں "منصور دوانیقی" اور "ہارون الرشید" جیسے اشخاص تھے جنکے ظلم و استکبار و تباہ کاریوں کا کوئی بھی منکر نہیں ہے۔ اور یہ ممکن نہیں کہ ان کا شمار خلفاء پیغمبرؐ اور اسلام کی عزت و سربلندی کے لئے مایۂ ناز ہستیوں کی طور پر کیا جائے۔ ان مقامات کے لئے ہم خواہ کتنا ہی کم معیار کیوں نہ فرض کریں تب بھی یہ لوگ اس عہدہ کے لائق نہیں ہیں اور خلفاء کی تعداد سے باہر ہیں۔

اور ان سب پر نظر کرتے ہوئے خلفاء کا بارہ عدد شیعوں کے بارہ اماموں کے علاوہ کسی طرح پورا نہیں ہوتا۔

بہتر ہوگا اگر ہم اس موقع پر گفتگو اہل سنت کے مشہور علماء میں سے ایک عالم کے سپرد کریں:

"سلیمان بن ابراہیم قندوزی حنفی" اپنی کتاب "ینابیع المودۃ" میں اس طرح لکھتے ہیں:

''بعض محققین نے کہا ہے : وہ حدیثیں مشہور ہیں جو اس بات کو ثابت کرتی ہیں کہ رسولِ اکرمؐ کے بعد خلفاء کی تعداد بارہ ہے۔ اور یہ حدیثیں بہت سے طریقوں سے نقل ہوئی ہیں۔ وہ بات جو گذرتے ہوئے زمانہ کی تحقیق کے بعد واضح ہو کر سامنے آتی ہے وہ یہی ہے کہ رسولِ خدا کی اس حدیث سے مراد اپنے اہل بیتؑ اور اپنی عترت سے بارہ جانشین ہیں۔ اس لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ اس حدیث کو خلفاءِ راشدین (پہلے چار خلفاء) پر منطبق کیا جائے کیوں کہ وہ چار سے زیادہ اشخاص نہیں ہیں۔ اور یہ حدیث خلفاء بنی امیہ پر بھی منطبق نہیں ہوتی کیوں کہ ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور ان میں ''عمر بن عبدالعزیز'' کے علاوہ سب ہی ظالم و ستمگر تھے۔ اور اس کے علاوہ وہ بنی ہاشم سے نہ تھے اور پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ تمام بارہ خلفاء بنی ہاشم سے ہوں گے۔ ایسا ہی ''عبدالملک بن عمر'' نے ''جابر بن سمرہ'' سے نقل کیا ہے۔ اور پیغمبرؐ کا اس مسئلہ میں 'کہ یہ بارہ خلفاء کس خاندان سے ہوں گے' آہستہ آواز میں کہنا اسی بات کی دلیل ہے کہ اکثریت بنی ہاشم کی خلافت سے خوش نہیں تھی۔ اور اسی طرح یہ حدیث خلفاء بنی عبّاس پر منطبق نہیں ہوتی کیونکہ انکی بھی تعداد بارہ سے زیادہ ہے۔ اور اس سے قطع نظر ان خلفاء بنی عباس نے آیۂ مودت : قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى (سورۂ شوریٰ۔ آیت ۲۳) پر عمل نہیں کیا اور ''حدیث کساء'' پر کوئی اعتنا نہ کی۔

اس بناء پر یہ حدیث صرف پیغمبرؐ کے اہلبیتؑ اور پیغمبرؐ کی عترت سے منتخب بارہ اماموں پر ہی منطبق ہوتی ہے۔

کیوں کہ یہ سب کے سب بارہ امام علم و دانش کے اعتبار سے سب سے زیادہ دانشمند ہیں۔ اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے سب سے زیادہ زاہد ہیں۔ اور حسب و نسب کے لحاظ سے سب سے زیادہ بلند رتبہ ہیں۔ اور یہ سب وہ اشخاص ہیں جنھوں نے

اپنے تمام علوم و فنون کو اپنے جدِ رسولِ خدا سے وراثتاً حاصل کیا ہے ۔
حدیثِ ثقلین اور دوسری بہت سی حدیثیں جو پیغمبرؐ سے ہم تک پہونچی ہیں وہ بھی اس بات کی پوری تائید کرتی ہیں“ (۱)

دلچسپ بات یہ ہے کہ حجاز و مکہ کے سفر کے دوران بعض علماء سے جو میری گفتگو ہوئی اس میں بارہ اماموں سے متعلق احادیث کی ایک دوسری ہی تفسیر ان سے سننے میں آئی جس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ اس مسئلہ میں انھیں کیسی سخت اور ناقابلِ حل مشکل کا سامنا ہے ۔ انھوں نے کہا : ” شاید بارہ خلفاء سے مراد پہلے چار خلفاء ہیں جو اسلام کے ابتدائی دور میں تھے اور بقیہ آٹھ خلفاء آئندہ ہوں گے جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں ۔“

اور اسطرح سے وہ بارہ خلفاء جو پیغمبرؐ کی حدیث سے بخوبی واضح ہیں ان کی طرف توجہ نہیں کی گئی ۔

لیکن ہمارا تو کہنا یہ ہے کہ یہ کیا ضروری ہے کہ پیغمبرؐ کی بارہ خلفاء کی واضح حدیث کو، جو شیعوں کے بارہ اماموں سے ہم آہنگ ہے، ہم چھوڑ دیں اور ان وادیوں میں جا پڑیں جہاں کی مشکلات جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہم پر ظاہر ہیں ۔

★ ★ ★

ناموں کے ساتھ اماموں کی تشخیص

یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ پیغمبرؐ گرامی اسلام کی بعض وہ روایات جو

(۱) ”ینابیع المودۃ“ صفحہ ۴۴۶

اہلِ سنت کے ذریعہ ہم تک پہونچی ہیں ان میں بارہ اماموں کے نام صراحت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اور ان کے نام اور خصوصیات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے!

اہل سنت کے مشہور عالم "شیخ سلیمان قندوزی" اپنی کتاب "ینابیع المودۃ" میں اس طرح لکھتے ہیں:

ایک یہودی جس کا نام "نعثل" تھا پیغمبرؐ کی خدمت میں پہونچا اور اپنے سوالات کے دوران اس نے پیغمبرؐ سے ان کے اوصیا اور جانشینوں کے بارے میں سوال کیا۔ پیغمبرؐ نے اپنے جانشینوں کا یوں تعارف کرایا اور فرمایا: ان وصیی علیؑ بن ابی طالب وبعدہ سبطای الحسنؑ والحسینؑ تلوہ تسعہ ائمۃ من صلب الحسینؑ "

قال یا محمدؐ فسمھم لی: قال ص " اذا مضی الحسین فابنہ علیؑ، فاذا مضی علیؑ فابنہ محمدؑ، فاذا مضی محمدؑ فابنہ جعفرؑ، فاذا مضی جعفرؑ فابنہ موسیٰؑ، فاذا مضی موسیٰؑ فابنہ علیؑ، فاذا مضی علیؑ فابنہ محمدؑ، فاذا مضی محمدؑ فابنہ علیؑ، فاذا مضی علیؑ فابنہ الحسنؑ، فاذا مضی الحسنؑ فابنہ الحجۃ محمد المھدی (ع)، فھؤلاء اثنا عشرا۔" (میرے بعد میرے جانشین علی ابن ابی طالبؑ ہوں گے اور ان کے بعد میرے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہوں گے اور حسین کے بعد نو امام ان کی نسل سے ہوں گے)

یہودی نے پوچھا ان (نو اماموں) کے بھی نام بیان فرمایئے:

پیغمبرؐ نے فرمایا: جس وقت حسینؑ دنیا سے رخصت ہوں گے ان کے بیٹے علیؑ جانشین ہوں گے اور جس وقت ان کے بیٹے علی دنیا سے رخصت ہوں گے ان

کے بیٹے محمدؑ جانشین ہوں گے اور جس وقت محمدؑ دنیا سے وداع ہوں گے تو ان کے بیٹے جعفرؑ جانشین ہوں گے اور جعفر کے بعد موسیٰؑ جانشین ہوں گے اور جس وقت موسیٰؑ دنیا سے رخصت ہوں گے ان کے بیٹے علیؑ جانشین ہوں گے اور علیؑ کے بعد انکے بیٹے محمدؑ جانشین ہوں گے اور جس وقت محمدؑ کی آنکھ بند ہوگی ان کے بیٹے علیؑ جانشین ہونگے اور علیؑ کے بعد ان کے بیٹے حسنؑ اور جس وقت حسنؑ دنیا سے رخصت ہوں گے تو انکے بیٹے حجت خدا محمد المہدی جانشین ہوں گے. تو اس طرح یہ بارہ امام میرے بعد ہوں گے" (۱)

نیز اسی کتاب "ینابیع المودۃ" میں کتاب "مناقب" سے ایک دوسری حدیث نقل کی گئی ہے جس میں بارہ اماموں کے نام مع القاب بیان ہوئے ہیں اور حضرت مہدیؑ کے بارے میں ان کی غیبت اور ان کے انقلاب اور ان کے زمین کو عدل وانصاف سے اسی طرح پُر کردینے' جیسے کہ وہ ظلم وجور سے پُر تھی' کیطرف اشارہ کیا گیا ہے. (۲)

البتہ اس موضوع پر شیعوں کی حدیثیں بہت بڑی تعداد میں ہیں جو متواتر ہیں (غور کریں!)

ہر وہ شخص جو دنیا سے رخصت ہو جائے اور اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانے

مزے کی بات یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں بھی پیغمبرؐ اکرم کی حدیثوں

(۱) "ینابیع المودۃ"۔ صفحہ ۴۴۱ (۲) "ینابیع المودۃ"۔ صفحہ ۴۴۲

میں جو بیان ہوا ہے اسے ہم یوں پڑھتے ہیں : "من مات بغیر امام مات میتة جاهلیه"؛ (جو شخص بغیر امام (کی معرفت) کے دنیا سے چلا گیا اس کی موت ایک جاہلیت کی موت ہے)! (۱)

یہی حدیث شیعہ مآخذ میں اس طرح نقل ہوئی ہے : "من مات ولا یعرف امامه مات میتة جاهلیة" (جو شخص دنیا سے چلا گیا اور اس نے اپنے زمانے کے امام کو نہ پہچانا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے)۔ (۲)

یہ حدیث بخوبی اس بات کو واضح کرتی ہے کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں ایک معصوم امام موجود ہوتا ہے اور لوگوں کو چاہئے کہ اسے پہچانیں اور امام کا نہ پہچاننا انسان کے لئے اتنا ہی زیادہ نقصان دہ ہے کہ اسے سرحدِ کفر و جاہلیت تک پہونچا دیتا ہے۔

کیا اس حدیث میں امام و پیشوا سے مراد وہی اشخاص ہیں جو حکومتوں کے سربراہ ہوں مثلاً چنگیز و ہارون اور دوسرے وابستہ حکمران ؟ بلاشک اس سوال کا جواب منفی ہے۔ کیونکہ حکمران زیادہ تر نامعقول و ظالم اور مشرق و مغرب کی طاقتوں سے وابستہ اور دوسروں کی سیاست پر عمل کرنے والے اشخاص ہوئے ہیں اور ہیں اور مسلّم طور پر ان اشخاص کی معرفت اور ان کی امامت پر اعتقاد انسانوں کو جہنّم (دارالبوار) میں بھیجے گا۔

پس واضح ہو گیا کہ ہر دور اور ہر زمانہ میں ایک معصوم امام موجود ہوتا ہے اور انسان کو چاہئے کہ اس کو دریافت کر کے اس کی معرفت حاصل کرے اور اس کی

(۱) "المعجم المفهرس لالفاظ الاحادیث النبوی"۔ جلد ۶۔ صفحہ ۳۰۲

(۲) "سجاد الاشور"۔ جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۶

امامت کو مانے ۔

البتہ ہر امام کی امامت قرآنی نصوص اور احادیث و روایات جو ہر سابق امام سے موجودہ امام کے بارے میں ہم تک پہونچیں اور اماموں کے معجزوں سے بھی پوری طرح ثابت ہے ۔

سوچئے اور جواب دیجئے !

۱۔ کن کتابوں میں بارہ اماموں کے بارے میں روایات نقل ہوئی ہیں ؟

۲۔ ان احادیث کا مفہوم ؟

۳۔ ان احادیث کے بارے میں کیا کیا نامناسب توجیہات کی گئیں ؟

۴۔ کیا اہلسنت کی حدیث میں بارہ اماموں کے نام بیان کئے گئے ہیں ؟

۵۔ دوسرے کن طریقوں سے اماموں کی تعداد بارہ ثابت ہوتی ہے ؟

دسواں سبق

حضرت مہدیؑ بارہویں امام

اور

دنیا کے مصلح اعظم

- تاریک رات کا خاتمہ۔
- مصلح اعظم کا ظہور اور اس کا فطری ہونا۔
- عقلی دلائل۔
- قرآن اور حضرت مہدی کا ظہور۔
- احادیث اور حضرت مہدی۔
- شیعہ احادیث کی روشنی میں

۱۔ تاریک رات کا خاتمہ

جس وقت ہم آج کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں اور ظلم وفساد و قتل و غارت اور بین اللملی سطح پر روز بہ روز بڑھتی ہوئی جنگوں، خونریزیوں، کشمکشوں، اختلافات اور اخلاقی خرابیوں کو دیکھتے ہیں تو خود بخود یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ کیا یہ سب اسی طرح جاری رہے گا ؟ اور کیا یہ ظلم وفساد اس قدر بڑھ جائے گا جس سے انسانی معاشرہ ایک دائمی جنگ میں پھنس کر تباہ و برباد ہو جائے گا ؟ اور کیا عقیدوں کے اختلافات اور اخلاقی خرابیاں انسانی معاشرہ کو اسی طرح متعفن کرتی رہینگی ؟ اور کیا اس کے باوجود یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ایک دن انسانی معاشرہ کی نجات اور اصلاح ممکن ہو گی ؟

پہلا جواب

اس اہم سوال کے دو جوابات دیکھنے میں آتے ہیں ؛ جو بدخواہوں اور مادہ پرستوں کیطرف سے دیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کا مستقبل تاریک ہے۔ اور ہر وقت خطرہ کا ایک امکان موجود ہے۔

دوسرا جواب

لیکن وہ لوگ جو آسمانی مذاہب کو مانتے ہیں، خاص طور پر مسلمان اور مخصوصاً تمام دنیا کے شیعہ، اس سوال کا جواب اس طرح دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اس تاریک اور بھیانک رات کے پیچھے امید کی ایک صبح ہے۔

یہ سیاہ ابر اور موت کے طوفان اور ویران کر دینے والے سیلاب ایک دن ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد روشن آسمان اور چمکتا ہوا سورج اور امن و امان کی فضا انسانی معاشرہ کے سامنے آئے گی۔

یہ مشکلات کے خوفناک بھنور ہمارے سامنے نہیں رہیں گے اور افق پر نزدیک ہی ساحل نجات ہماری نظروں کے سامنے ہوگا۔

دنیا ایک عظیم مصلح کے انتظار میں ہے جو تمام دنیا کو ایک انقلاب کے ذریعہ عدل و انصاف و صداقت سے بھر دے گا۔

البتہ اس عظیم مصلح کو مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک الگ نام سے جانتے ہیں جیسے ایک عرب شاعر نے یوں کہا ہے:

عبارا تنا شتی وحسنك واحد و كل الی ذالك الجمال يشير

(ہماری تعبیریں مختلف ہیں لیکن آپ کی زیبائی بس ایک ہی حقیقت ہے اور ہمارے تمام اقوال اسی دنیائے زیبائی کیطرف اشارہ کرتے ہیں)!

★ ★ ★

۲۔ مصلح اعظم کا ظہور اور اسکا فطری ہونا

باطنی الہامات، جن کی موجیں بعض وقت عقلی کاوشوں سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہیں، وہ نہ صرف خدا کی معرفت کے مسئلہ میں رہنمائی کرتے ہیں جس سے تمام مذہبی اعتقادات میں ہماری رہنمائی ہوتی ہے بلکہ وہ اس مسئلہ میں بھی ہماری رہبری کرتے ہیں۔

اور ان کی علامتیں یہ ہیں:

پہلی علامت

عالمی انصاف وعدالت سے عام طور پر سبکو محبت ہے۔ اس لئے دنیا کے تمام انسان اپنے سارے اختلافات کے باوجود بغیر کسی استثناء کے صلح وعدالت سے محبت رکھتے ہیں۔ ہم سب ہی اس کے لئے آواز بلند کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے ہیں صلح اور عالمی عدالت کے لئے اپنے سراپا وجود سے بھرپور تمنا رکھتے ہیں۔

مصلح اعظم کے ظہور کے فطری ہونے کی اس سے بہتر دلیل ممکن نہیں ہے کیونکہ ہر جگہ عدالت وانصاف کے قیام کی تمنّا کا عمومی ہونا اس کے فطری ہونے کی دلیل ہے۔ (غور کیجئے)

ہر فطری اور حقیقی عشق معشوق کے وجود اور اس کی جاذبیت اور کشش کی وجہ سے ہے۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدا نے انسان کے دل میں اس تڑپ کو تو پیدا کیا اور وہ چشمہ جس سے وہ سیراب ہو سکے اسکا وجود نہ ہو؟

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انسان کا خمیر اور عدل وانصاف طلب فطرت باآواز بلند صدا دے رہی ہے کہ آخر کار تمام دنیا میں صلح وانصاف پھیل جائے گا۔ اور ظلم وستم کی بساط الٹ جائے گی اور تمام انسانیت ایک ملک کی حیثیت سے ایک پرچم کے تلے مفاہمت وپاکیزگی کی زندگی گذارے گی۔

دوسری علامت

دنیا کے ایک مصلح اعظم کے انتظار کے بارے میں عام طور پر تمام مذاہب

میں بتایا گیا ہے۔ تقریباً سب ہی مذاہب میں اس موضوع پر مفصل اور دلچسپ بحث دیکھنے میں آتی ہے۔ اور ایک عظیم نجات دلانے والے کے ظہور پر ایمان کا مسئلہ اور جامۂ بشریت کے کاری زخموں پر مرہم رکھنے کا مسئلہ صرف مسلمانوں کے درمیان ہی نہیں ہے بلکہ موجودہ دلیلیں اور ثبوت اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ اعتقاد ایسا عمومی اور قدیم ہے جو مشرق و مغرب کی سب ہی قوموں اور مذہبوں میں موجود تھا اگرچہ اسلام میں، اس لحاظ سے کہ وہ ایک مکمل مذہب ہے، مکمل طور پر اس مسئلہ کے لئے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

کتاب "زند" میں، جو زرتشتیوں کی مشہور کتابوں میں سے ایک کتاب ہے، یزدان و اہرمن میں ہمیشہ رہنے والی جنگ کے بیان کے بعد لکھا ہے: "جب عظیم کامیابی یزدانی کو ملے گی اور اہرمن کو نابود کر دیا جائے گا تو ...... کائنات اپنی حقیقی نیکی کو حاصل کرلے گی اور انسان اچھائیوں کے تخت بیٹھے گا۔

زردشتیوں کی کتاب "جاماسب نامہ" میں لکھا ہے کہ: "ایک شخص تازیوں کے سرزمیں سے ظاہر ہوگا .... ایک بڑے سر والا، بڑی پنڈلیوں والا بڑے جسم والا انسان اپنے جد کے دین پر ایک بڑی فوج کے ساتھ آئے گا اور زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔"

ہندوؤں کی کتاب "وشن جوگ" میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: "بالآخر دنیا ایک شخص کی طرف پلٹے گی جو خدا کو دوست رکھتا ہوگا اور وہ خدا کے خاص بندوں میں سے ایک بندہ ہوگا۔"

ہندوؤں کی کتاب "باسک" میں ہم پڑھتے ہیں: دنیا کا دور آخری زمانہ میں ایک عادل بادشاہ پر ختم ہوگا۔ وہ فرشتوں، پریوں اور آدمیوں کا رہبر ہوگا۔ حق و صداقت اس کے ساتھ ہوگی۔ اور جو کچھ سمندروں زمینوں اور پہاڑوں

یں پوشیدہ ہے وہ اسے حاصل کرے گا. زمین سے لے کر آسمان تک جو کچھ ہو گا اس کی وہ خبر دے گا اور اس سے بڑھ کر دنیا میں کوئی نہیں آئے گا'' !

کتاب'' مزامیر داؤد'' میں جو کہ پرانے زمانے کی (توریت اور اس سے متعلق مکتوبات) کتابوں میں سے ہے' ہم اس طرح پڑھتے ہیں : ''شریر انسان ختم ہو جائیں گے لیکن خدا پر توکل کرنے والے بندے زمین کے وارث ہو جائیں گے'' اور اسی کتاب کے اسی حصہ میں لکھا ہے : ''سچے بندے زمین کے وارث ہوں گے اور ہمیشہ اس پر سکونت کریں گے.'' اسی سے ملتا جلتا بیان توریت کی کتابوں میں سے کتاب'' اشعیای نبی'' میں بھی آیا ہے. ''انجیل متی'' کی فصل ۲۴ میں ہم یوں پڑھتے ہیں ''جسطرح سے بجلی پورب میں چمک کر پچھم تک ظاہر ہوتی ہے اسیطرح ایک انسان بھی آئے گا.....''.

اور انجیل'' لوقا'' کی فصل ۱۲ میں ہم پڑھتے ہیں :'' اپنی کمروں کو کس کر رکھو اور اپنے چراغوں کی روشنی کو تیز رکھو اور ایک ایسے انسان کی طرح رہو جو اپنے مالک کے انتظار میں ہو تا کہ مالک جس وقت بھی آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے تو وہ اس کے لئے بے دریغ دروازہ کھول دے'' !

کتاب'' علائم الظہور'' میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :چینیوں کی پرانی کتابوں میں اور ہندوستانیوں کے عقیدوں میں' اور اسکینڈینیوین ملکوں کے باشندوں میں یہاں تک کہ پرانے مصریوں اور میکسیکو کے باشندوں میں اور اسی طرح کی دوسری قوموں میں'' ایک مصلح اعظم'' کے ظہور کا عقیدہ پایا جاتا ہے .

★ ★ ★

۳۔ عقلی دلیلیں

الف : نظام آفرینش ہم کو یہ سبق دیتا ہے کہ دنیائے انسانیت بالآخر انصاف پر مبنی قانون کو مانے نظام عدالت اور ایک پائیدار رہبر و مصلح کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کرے۔

اسکی توضیح یہ ہے کہ نظامِ ہستی جہاں تک کہ ہمیں علم ہے بہت سے نظاموں کا ایک مجموعہ ہے۔ اس ساری دنیا میں منظم قوانین کا وجود اس نظام ہستی کی وحدت و ہماہنگی کی دلیل ہے۔

نظم و قانون و منصوبہ بندی اور حساب و کتاب کا مسئلہ اس دنیا کے سب سے زیادہ حقیقی اور بنیادی مسائل میں شمار ہوتا ہے۔

بڑے بڑے نظاموں سے لیکر ایک ایٹم کے ذرے تک، کہ جن کی لاکھوں کی تعداد کو ایک سوئی کی نوک پر جگہ دی جا سکتی ہے، سب ہی ایک خاص اور صحیح طور پر نپے تلے نظام کے تابع ہیں۔

ہمارے جسم کے مختلف اعضاء، ایک انوکھے چھوٹے سے سیل (CELL) سے لے کر دماغ اور اعصاب کے جال اور قلب و جگر کے کام کرنے کا ڈھنگ یہ سب ہی ایک ایسے نظام کے تابع ہیں کہ بعض دانشمندوں کے قول کے مطابق ان میں سے ہر ایک ایک انتہائی صحیح گھڑی کی مانند کام کرتا ہے۔ اور انکے مقابلہ میں بہت منظم اور سب سے زیادہ صحیح کمپیوٹر کی بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

کیا اس طرح کی منظم کائنات میں انسان جو "کُل" (کائنات) کا ایک "جزء" ہے ایک غیر منظم اور مختلف رنگ کے پیوند کی مانند جنگ و خونریزی وظلم و

فساد کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرتا رہے ؟

کیا ناانصافیاں، اخلاقی اور اجتماعی فسادات جو ایک طرح کی بے نظمیاں ہیں، ہمیشہ انسانی معاشرہ پر حاکم رہ سکتی ہیں ؟

نتیجہ یہ ہے کہ نظامِ کائنات کا مشاہدہ ہم کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ بالآخر انسانی معاشرہ بھی ایک نظم و انصاف کیطرف پلٹے گا اور اپنی خلقت کے صحیح راستے کیطرف واپس آئے گا۔

★ ★ ★

ب : معاشروں کی ارتقاء کی طرف حرکت انسانی معاشرہ کے روشن مستقبل کی ایک دوسری دلیل ہے کیونکہ ہم ہرگز اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتے کہ انسانی معاشرہ نے جس دن سے اپنے آپ کو پہچانا ہے اسدن سے کسی جگہ پر اور کسی مرحلہ میں بھی رکا نہیں ہے اور ہمیشہ اس نے ترقی کیطرف حرکت کی ہے۔

مادی پہلوؤں کے اعتبار سے مکان و لباس و غذا اور آمد و رفت کے ذرائع وغیرہ ایک وقت تھا کہ بالکل معمولی شکل میں تھے لیکن آج یہ سب ترقی کی اس منزل پر پہونچ گئے ہیں کہ عقلیں حیران اور آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور مسلم طور پر یہ ترقی جاری رہے گی۔

علوم و دانش اور تمدن میں بھی ہمیشہ ترقی ہوئی ہے اور ان تمام شعبوں میں ہر دن نئی معلومات اور نئی تحقیقات اور نئے مطالب حاصل ہوئے ہیں۔

اس "ارتقاء کے قانون" میں بالآخر باطنی و اخلاقی و اجتماعی پہلوؤں کی بھی شمولیت ہوتی ہے۔ جو انسانیت کو ایک منصفانہ قانون اور پائیدار صلح و عدالت اور اخلاقی و باطنی فضائل کی طرف لیجاتے ہیں۔ اور اگر ہم دیکھتے ہیں

کہ آج اخلاقی مفاسد میں اضافہ ہورہا ہے تو بالآخر یہ حقیقت بذات خود ایک صحیح انقلاب کے لئے زمین ہموار کرتی ہے۔

ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں کہ فساد کے لئے حوصلہ افزائی کرنا چاہئے لیکن ہم کہتے ہیں کہ جس وقت فساد ایک حد سے گذر جائیگا تو ردِ عمل کے طور پر ایک اخلاقی انقلاب رونما ہوگا۔ جس وقت انسان مشکلات میں پھنس جائیں گے اور گناہوں میں مبتلا ہوجائیں گے اور ان کی عقلیں بیکار ہوجائیں گی اور ان کی جانیں لبوں پر آجائیں گی۔ تو ایسے وقت میں وہ کم از کم ایک ایسے اصول کو ماننے پر تیار ہوجائیں گے جو خدا کے پیشوا کیطرف سے پیش کیا جائے گا۔

★ ★ ★

۴۔ قرآن اور حضرت مہدیؑ کا ظہور

عظیم آسمانی کتاب (قرآن) میں متعدد آیتیں ہیں جو اس اہم ظہور کی بشارت دیتی ہیں اور ہم ان آیتوں میں سے صرف ایک آیت پر ہی اکتفا کریں گے: سورۂ نور کی آیت ۵۵ میں ہم پڑھتے ہیں: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔

"(اے ایماندارو!) تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ہے کہ ان کو (ایک نہ ایک) دن روئے زمین پر ضرور (اپنا) نائب مقرر کرے گا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنایا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔"

اس آیت سے بخوبی یہ پتہ چلتا ہے کہ بالآخر زمین پر جابر حکمرانوں اور ستمگر

فرمانرواؤں کے ہاتھوں سے حکومت نکل جائے گی اور ساری زمین پر صالح مومنین حکومت کریں گے۔ اسی آیت میں اس وعدہ کے علاوہ تین اور وعدے بھی کئے گئے ہیں:

دین کا قیام اور دلوں میں حکومتِ الٰہیہ کا حقیقی نفاذ (وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ)

ہر طرح کے خوف و بدامنی کو امن و امان سے بدلنا (وَ لَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ط)

۔ ساری زمین سے شرک کا خاتمہ ہو جانا (یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط)

امام زین العابدین علی بن الحسینؑ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: هم والله شیعتنا یفعل الله ذالك بهم علی یدی رجل منا وهو مهدی هذه الامة: (خدا کی قسم یہی گروہ ہمارے مذہب کا ماننے والا ہے خداوند ہمارے خاندان کے ایک شخص کے ذریعہ سے یہ (حکومتِ الٰہیہ) قائم کرے گا اور وہی اس امت کا مہدی ہے۔ (۱)

★ ★ ★

۵ ــ احادیث اور حضرت مہدیؑ

شیعہ اور اہل سنّت کی کتب احادیث میں اس موضوع کے بارے میں

(۱) تفسیر مجمع البیان۔ سورۂ نور کی آیت ۵۵ کے ذیل میں

کہ صلح و عدالت کے ساتھ ایک عالمی حکومت، خاندان پیغمبرؐ کی ایک فرد جس کا نام مہدیؑ ہے کے ذریعہ سے قائم ہو گی، بہت سی حدیثیں ہیں جو تواتر کی حد سے بھی آگے ہیں۔ اور شیعہ کتب احادیث میں اس موضوع پر بھی، کہ وہ (مہدیؑ) بارہویں امام اور جانشین پیغمبرؐ اور امام حسینؑ کے نویں بیٹے اور امام حسن عسکریؑ کے بیٹے ہیں، متواتر حدیثیں موجود ہیں۔

اہل سنت کی کتب احادیث میں ظہور مہدیؑ سے متعلق حدیثوں کے تواتر کے سلسلے میں اتنا کافی ہے کہ اہل سنت کے دانشوروں نے صاف صاف اپنی کتابوں میں انھیں نقل کیا ہے۔ یہاں تک کہ حجاز کے سب سے بڑے دینی مرکز "رابطۃ العالم اسلامی" سے شائع ہونے والا رسالہ جو حال ہی میں شائع ہوا ہے ہم یوں پڑھتے ہیں: "وہ (مہدی) بارہ خلفاء راشدین میں آخری خلیفہ ہے جس کے بارے میں پیغمبرؐ نے صحیح ترین احادیث میں خبر دی ہے اور مہدیؑ کے بارے میں پیغمبرؐ گرامی اسلام کے بہت سے صحابیوں سے احادیث نقل ہوئی ہیں"۔

اس کے بعد اسی رسالہ میں بیس ان صحابیوں کے ناموں کو، (جنھوں نے حضرت مہدیؑ کے بارے میں پیغمبرؐ کی حدیثیں نقل کی ہیں) ذکر کرنے کے بعد اسطرح بیان کیا گیا ہے: "ان کے علاوہ بھی دوسرے بہت سے گروہوں نے حدیثیں نقل کی ہیں۔۔۔۔۔ بعض اہل سنت دانشوروں نے مہدیؑ کے بارے میں مخصوص کتابیں لکھی ہیں ان میں "ابو نعیم اصفہانی" و "ابن حجر ہیثمی" و "شوکانی" و "ادریس مغربی" و "ابو العباس ابن عبد المومن" وغیرہ ہیں۔ اس کے بعد لکھا ہے: اہل سنت کے قدیم اور عصر حاضر کے بڑے بڑے علماء کے گروہ نے مہدیؑ کے بارے میں احادیث کے متواتر ہونے کی توثیق کر دی ہے۔

ان علماء کے ناموں کے ذکر کے بعد اس رسالہ میں یوں لکھا ہے: "بہت

سے حفاظ و محدثین نے صریحی طور پر لکھا ہے کہ مہدیؑ کے بارے میں احادیث صحیح ہیں اور وہ سب ہی قطعی طور پر متواتر بھی ہیں۔ اور قیام مہدیؑ کے بارے میں اعتقاد رکھنا واجب ہے اور یہ عقیدہ (قیام مہدیؑ) اہل سنت والجماعت کے عقیدوں میں سے ایک عقیدہ ہے۔ اور جاہل اور ایسے لوگ جنھیں ہر چیز میں بدعت نظر آتی ہے کے علاوہ کوئی شخص اس عقیدہ سے انکار نہیں کرے گا۔

۶۔ شیعوں کی احادیث کی روشنی میں

ہمارا اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ اس موضوع (ظہور مہدیؑ) پر سینکڑوں حدیثیں مختلف راویوں نے پیغمبرؐ اور ائمہ ھدیٰؑ سے اس طرح نقل کی ہیں کہ وہ تواتر کی حد سے بھی آگے ہیں۔ اور شیعوں کے نزدیک ان احادیث کا وجود ضروریات مذہبی میں سے ہے۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص شیعوں میں بیٹھے اٹھے اور ظہور مہدیؑ کے بارے میں ان کے عقیدوں سے اور حضرت مہدیؑ کی بہت سی خصوصیات اور انکے ظہور کی نشانیوں اور ان کی طرز حکومت اور ان کے مختلف منصوبوں سے باخبر نہ ہو۔

شیعوں کے بڑے بڑے علماء نے شروع کی صدیوں سے لیکر آج تک بیشمار کتابیں اس موضوع پر تصنیف کی ہیں۔ اور ان میں اس موضوع سے متعلق احادیث کو جمع کردیا ہے۔

مثال کی طور پر ہم اس جگہ دو حدیثوں کا ذکر کر رہے ہیں اور اس موضوع پر مزید مطالعہ کے شائق حضرات کو "مہدیؑ انقلابی بزرگ" اور "نوید امن و امان" اور عالم جلیل سید صدرالدین صدر کی تالیف کی ہوئی کتاب "المہدیؑ" کے ترجمہ

وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کی ہم دعوت دیتے ہیں ۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا : لولم یبق من الدھر الا یوم لطول اللّٰہ ذالک الیوم حتی یبعث رجلا من اھل بیتی یملاھا قسطاً و عدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً : (اگر دنیا کی عمر بس ایک دن باقی رہ جائے تو بھی خداوند اس دن کو اس حد تک طولانی کر دے گا کہ میرے خاندان سے ایک شخص کو مبعوث کرے تاکہ وہ زمین کو اسی طرح عدل و انصاف سے بھر دے جس طرح وہ ظلم وجور سے بھری ہوئی ہو) (۱)

حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کی گئی ایک حدیث میں ہم پڑھتے ہیں : " اذا قام القائم حکم بالعدل وارتفع الجور فی ایامہ وامنت بہ السبل واخرجت الارض برکاتھا ، ورد کل حق الی اھلہ .... و حکم بین الناس بحکم داود وحکم محمدؐ فحینئذ تظھر الارض کنوزھا ، وتبدی برکاتھا ، ولایجد الرجل منکم یومئذ موضعاً لصدقتہ ولبرہ ، لشمول الغنیٰ جمیع المومنین .... ! "

(جس وقت حضرت قائمؑ ظہور فرمائیں گے تو اپنی حکومت کی بنیاد عدل و انصاف پر رکھیں گے ۔ ان کے دورانِ حکومت زمین سے ظلم وجور کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا ۔ ان کے وجود کی برکت سے راستے امن وامان سے پر ہو جائیں گے ۔ زمین اپنی برکتوں (خزانوں) کو باہر کر دے گی ۔ اور حق حقدار تک پہونچ جائے گا .... وہ (حضرت مہدیؑ) انسانوں کے مسائل کو داؤد و محمدؐ کی مانند حل کریں گے ۔ اور اس دور میں زمین اپنے خزانوں کو ظاہر کرے گی اور اپنی برکتوں کو نمایاں کریگی۔

---

(۱) یہ حدیث شیعوں اور اہل سنت کی بیشتر کتابوں میں نقل ہوئی ہے ۔

اور کوئی شخص خیرات و صدقہ و مالی امداد کے لئے کسی بھی مستحق کو تلاش نہ کر سکے گا۔ کیونکہ سب ہی مومنین بے نیاز و غنی ہو جائیں گے)! (۱)

ہم جانتے ہیں کہ امام عصر (ارواحنا فداہ) کی غیبت کے زمانے میں امامت و ولایت کے معین کردہ خطوط کا تحفظ اور اسکی بقاء امام کے عام نائبین کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اور اس کی تفصیلی بحث "حکومت اسلامی" کی بحث میں "ولایت فقیہ" کے عنوان کے تحت ہوگی۔

(۲) "بحارالانوار"۔ جلد ۱۳ ــ طبع قدیم

سوچیے اور جواب دیجیے !

۱۔ دنیا کے مستقبل کے بارے میں خدا پرستوں اور مادہ پرستوں کے خیالات میں کیا فرق ہے ؟

۲۔ کیا حضرت مہدیؑ کے ظہور کو فطرت کے اصولوں سے سمجھا جا سکتا ہے؟

۳۔ کیا اس ظہور کے بارے میں ہمارے پاس عقلی دلیل ہے ؟ وہ کون سی دلیل ہے بیان کیجیے۔

۴۔ قرآن اس کے بارے میں کیا کہتا ہے ؟

۵۔ اس بارے میں احادیث و سنت کا کیا تجزیہ ہے ؟

خاتمہ

۱۵ / مرداد ۱۳۶۲ھ ہجری شمسی

ناصر مکارم شیرازی

ہمارا مقصد

ان کتابوں کی اشاعت سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ان حساس اور نازک حالات میں قرآن مجید کی تعلیمات اور اسلام کے اصولوں کو صحیح معنی میں منطقی۔ استدلالی۔ سادہ اور نہایت دلچسپ پیرائے میں معاشرے کے تمام طبقات خصوصاً نوجوانوں کے لئے پیش کیا جائے تاکہ ان حساس حالات اور نازک ماحول میں اپنے کردار کی تعمیر کر سکیں اور ایسے قوی ایمان کا حامل بن سکیں جس کا پرتو ان کے تمام اعمال وکردار پر ہو۔

اصولِ دین (توحید۔ عدل۔ نبوت۔ امامت۔ قیامت) سے متعلق پانچ مختصر کتابوں میں پچاس اسباق کے ذریعہ بحث کی گئی ہے اور یہ کتاب اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

بعثت فاونڈیشن۔ خیابان سمیہ بین شہید مفتح و فرصت۔ تہران، ایران